GM - 115

مَلکات فاضِلہ

خان علّامہ حضرت محمّد سعادت اللہ خاںؒ مندوزی

مرکزی انجمن مہدویہ چنچلگوڑہ حیدرآ
سلام

ملکات فاضلہ

(حصۂ اول)

خان علامہ حضرت مولانا محمد سعادت اللہ خاں مندوزی کامل متکلم

سابق رکن مجلس علمی دائرۃ المعارف جامعہ عثمانیہ و

پرنسپل دار العلوم کالج

ناشر

مرکزی انجمن مہدویہ

چنچلگوڑہ۔ حیدرآباد ۲۴

سلسلہ مطبوعات مرکزی انجمن مہدویہ ۹

نام کتاب: ملکاتِ فاضلہ

کتابت: محمد عبدالقادر

سرورق: سلام خوشنویس

طباعت: اعجاز پرنٹنگ پریس، پریس لین،

طباعت سرورق: نندنی پریس، رام کوٹ

صفحات: 172

قیمت: پندرہ روپے

ناشر

مرکزی انجمن مہدویہ

پسگوڑہ حیدرآباد اے پی

فون نمبر 528432

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

یہ امر کچھ راز نہیں کہ قوم کے علماء نے دین کو صحیح طور پر سمجھنے میں اور پھر دوسروں پر اس کی حقانیت کی توضیح و تشریح کرنے میں اپنی پوری زندگی کھپادی اُن سب کی خدمات کا اعتراف معنوی سطح پر ان سے اپنی غیر معمولی محبت اور عقیدت کی صورت میں اسی طرح کیا جاسکتا ہے کہ ان کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تحریرات کی وسیع اشاعت کی جائے ۔ چنانچہ زیرِ نظر کتاب اسی سلسلہ کی ایک کوشش ہے ۔

زیرِ مطالعہ تصنیف " ملکات فاضلہ " دیکھنے کے بعد قارئین کے دل میں یہ تجسس پیدا ہوگا کہ اس تصنیف کا مصنف کون ہے ۔ مصنف کے حالات اور تصنیف میں ایک ربط معنوی ہوتا ہے ۔ مصنف کی شخصیت اور اس کا تعارف کتاب سے استفادہ کی مزید راہیں کھول دیتے ہیں ۔

" ملکات فاضلہ " ملت مہدویہ کے ایک عالم یگانہ خاں علامہ محمد سعادت اللہ خاں مندوزی مرحوم کی تصنیف ہے ۔ خاں علامہ کی ذات قوم میں کسی تعارف کی محتاج نہیں صاحبان علم و فضل ان کے کمالِ علمی کے معترف تھے اور آج کی نئی نسل بھی مولانا کی تصانیف سے استفادہ کرکے ان کے تبحرِ علمی کا بخوبی اندازہ لگا سکتی ہے ۔

خاں علامہ کی کتابِ زیست کے اوراق جب اُلٹے جائیں گے تو ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ آپ کی ولادت مولوی ہوشدار خاں صاحب مندوزی کے گھر ۲۴ محرم سنہ ۱۳۱۰ھ بر ۲۹ شہریور سنہ ۱۳۰۲ف

بروز پنجشنبہ بوقت نماز فجر ہوئی آپ کے والد محترم مولوی ہوشدار خاں منووزی اُس زمانے میں بیگم بازار میں سکونت پذیر تھے ۔ مشہور کہاوت ہے کہ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر شروع کی پھر حضرت سید علی صاحب جو حضرت خاموش باوا صاحب میاں صاحب کے خاندان کے ایک فرد سے ابتدائی تعلیم حاصل کی ۔ اور یہ سلسلہ آگے چلا اور امتحانات علوم شرقیہ کی آخری سند مولوی، کامل بھتکمیل کے حصول تک جاری رہا ۔ یہ تعلیمی مدارج مدرسہ منتصب داران اور دارالعلوم میں طے پائے دارالعلوم میں شریک ہونے سے کچھ عرصہ پہلے ہی حضرت علامہ بحرالعلوم شمسی علیہ الرحمہ سے تحصیل علم کا موقعہ حاصل ہو گیا ۔ خاں علامہ کا شمار بحر العلوم شمسی علیہ الرحمہ کے مخصوص تلامذہ سے ہے آپ نے علامہ شمسی سے درس نظامیہ اور حدیث و تفسیر کی تکمیل پر تحریری سند حاصل کی اور علامہ شمسی نے اپنی زندگی ہی میں آپکو درس و تدریس کی اجازت دیدی تھی ۔ خاں علامہ کا انتقال ۲۱ / شوال ۱۳۷۸ھ م ۳۰ / اپریل ۱۹۵۹ء کو ہوا اور حظیرہ بندگی میاں شاہ ابراہیم میں آپ کو دفن کیا گیا ۔

زیر نظر تصنیف ملکات فاضلہ خاں علامہ کی ایک ایسی یادگار تصنیف ہے جس میں آپ نے حضرت امامنا میراں سید محمد جون پوری مہدی موعود علیہ السلام کے اخلاق سیرت اور آپ کی دعوت کے ثبوت کو عالمانہ اور مومنانہ بصیرت کے ساتھ پیش کیا ہے ۔ خاں علامہ کی یہ تصنیف ایسے موضوع کے اعتبار سے ملت مہدویہ کے لئے سرمایہ فکر و نظر ہے ۔ اسی تصنیف کے پڑھنے کے بعد جہاں ہم خلیفۃ الہی کی سیرت سے آگاہی حاصل کرتے ہیں وہیں ہمیں ثبوت مہدیؑ کے اطمینان بخش شواہد اور مہدی موعود علیہ السلام کے اخلاق رسول اکرمؐ کے اخلاق جیسے نظر آتے ہیں وہیں اس کتاب کے مطالعہ سے ہماری فکر و نظر میں ایک روشنی پیدا ہو جاتی ہے اور ہمارے مذہب کی حقانیت کے ایمان افروز جلوے نظر آتے ہیں ۔

بہرحال خاں علامہ کا یہ علمی کارنامہ (۱۴) ویں صدی ہجری کے اس روشن دور کی یادگار ہے جس میں علامہ کے معاصرین بھی صاحبان علم و فضل تھے اور ایک ایسا عہد جو صاحبانِ علم و فضل کا عہد ہو اُس عہد میں جو بھی کارہائے نمایاں انجام پاتے ہیں وہ

عہد ساز اور تاریخ ساز کہلاتے ہیں ۔ خاں علامہ کی اسی تصنیف ملکات فاضلہ پر صد فیصد اس کا اطلاق ہوتا ہے ۔

"ملکاتِ فاضلہ" اصل میں علامہ مرحوم کی ایک سلسلہ وار تصنیف ہے جو ماہنامہ "المصدق" میں آج سے تقریباً (۴۵) سال قبل شائع ہو چکی ہے ۔ جس کی افادیت تو اپنی جگہ مسلم ہے لیکن عصر حاضر میں ایک اہم ضرورت ہے ۔ اسی ضرورت کی تکمیل کے لئے مرکزی انجمن مہدویہ حیدرآباد نے کتابی شکل میں اس کی اشاعت کا بیڑہ اٹھایا ۔ تصنیف زیر نظر کی ضخامت کے مدنظر اس کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے ۔ پہلی جلد ہدیۂ ناظرین ہے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ دوسری جلد بھی قریب میں شائع کر دی جائے گی ۔

زیر نظر کتاب کی اشاعت میں رفیق کار عزیزم مقصود علی خاں صاحب معتمد عمومی کی محنت و کاوش کے لئے محض شکریہ ادا کر دینا میری دانست میں عزیزم کے ساتھ زیادتی ہے ۔ البتہ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے اپنے دین کی خدمت اسی طرح لیتا رہے ۔ آمین ۔

ڈاکٹر محمد محبوب علی خاں
صدر مرکزی انجمن مہدویہ

۱۴ / جمادی الاول ۱۴۰۹ھ ہجری
م ۲۴ / دسمبر ۱۹۸۸ء
چنچل گوڑہ حیدرآباد، اے پی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اس کی خلقت عطا فرمانے کے بعد اس کی غایت اور مصلحت کی ہدایت بھی فرمادی علامہ جلال الدین محقق دوانی آیۃ شریفہ اعطی کل شیء خلقہ ثم ھدی کے تحت فرماتے ہیں کہ ہر یک راغایتے ومصلحتے است کہ بمنزلہ ثمرہ آنست چہ فعل جواد مطلق وفعال برحق اگرچہ معلل باغراض نیست اما خالی از حکم ومصالح وغایات وثمرات نیست ۔ یعنی ہر چیز کی ایک غایت اور ایک مصلحت ہے جو بمنزلہ ثمرہ کے ہے ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فعل اگرچہ اغراض سے آلودہ نہیں ہوتا ہے لیکن حکمت سے خالی بھی نہیں ہوتا ۔ یہ بات نہ صرف دعوےٰ ہے بلکہ علم الٰہی میں یہ دلایل قاطعہ سے ثابت ہوچکی ہے ۔ پس جب کہ ہر چیز کی پیدائش میں ایک خاص غایت اور مصلحت مرموز ہوتی ہے تو خلقت انسان کی بھی کوئی نہ کوئی غایت ہونی چاہئے ۔ انسان کو خواہ تحقیقات قدیمہ کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے یا علوم جدیدہ کے معیار پر کسا جائے اکوان کا خلاصہ اور موجودات کا نچوڑ یہی ایک خاکی پتلا نظر آئے گا اس کی خلقت اتنی اہم ہے تو غایت اس سے بھی زیادہ اہم ہونی چاہئے ۔ آیات کریمہ انی جاعل فی الارض خلیفۃ (ترجمہ تحقیق میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں) وھو الذی جعلکم خلایف فی الارض (ترجمہ اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین پر خلیفے بنائے) سے ثابت ہوتا ہے کہ خلقت انسانی کی غایت خلافت الٰہیہ ہے اور آیۃ شریفہ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

(میں نے انسان اور جن کو اسی لئے پیدا کیا کہ وہ معرفت پیدا کریں) سے ثابت ہوتا ہے کہ حکمت خلقت معرفت کے لئے محصور ہے لیکن معرفت کلی مشکک ہے جو اپنے موصوفات میں شدۃ وضعف اور زیادۃ ونقصان کے ساتھ پائی جاتی ہے ۔ حدیث شریف ما عرفناک حق معرفتک اس کی تشکیک پر دال ہے اور یہ اپنے موصوفات میں ترقی کرتے کرتے ایک ایسے مقام صعودی پر پہونچتی ہے جس کا نام خلافت الٰہی ہے ۔ جو انسان اس موہبت عظمیٰ سے سرفراز ہوتا ہے وہی کمالات علمیہ وعملیہ سے موصوف ہوتا ہے اور اسی کے پاس حکمت کے خزانوں کی کنجیاں ہوتی ہیں اور بمصداق ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا خیرات کثیرہ کا خازن اور قاسم ہوتا ہے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی توصیف میں اللہ جل شانہٗ ارشاد فرماتا ہے ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلو علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین ۔ ترجمہ وہ وہی ہے جس نے امیوں میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتوں کو پڑھتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ کہ وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے ۔ حکمت نفس انسانی کے ممکنہ کمال علمی وعملی کا نام ہے اور حکمائے قدیم نے فلسفہ کی تعریف التشبہ بالالٰہ بقدر الامکان کی ہے اور یہ پایہ تحقیق کو پہونچ چکا ہے کہ انسان بمجرد علم کے عمل کے بغیر کمال کی بلندیوں تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ العلم بدون العمل وبال والعمل بدون العمل ضلال یعنے جس علم کے ساتھ عمل نہ ہو وہ وبال ہے اور جس عمل کے ساتھ علم نہ ہو وہ گمراہی ہے ۔ علامہ جلال الدین محقق دوانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حکمت کی تعریف

میں جس علم کا ذکر ہوتا ہے اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ مشہور اور متداول اقوال کو رٹ لیا جائے بلکہ اس سے مطالب حقیقی کا تیقن مراد ہے۔ خواہ وہ نظر و استدلال کے طریقہ سے حاصل ہو جیسا کہ اہل نظر کا طریقہ ہے جن کو علماء کہتے ہیں اور خواہ بطریق تصفیہ اور استکمال کے حاصل ہو جیسا کہ فقراء کرام کا طریقہ ہے جن کو عارفین اور اولیاء کہتے ہیں یہ دونوں طبقے درحقیقت حکیم ہیں۔ بلکہ ان میں سے اعلیٰ طبقہ فقراء اور عارفین کا طبقہ ہے جو محض موہبت ربانی سے درجہ کمال پر فائز ہوتے ہیں اور علمناہ من لدنا علما کے مکتب خانے سے سبق لیتے ہیں اس طبقہ کے راستہ میں شکوک کے کانٹے اور وہم کے نشیب و فراز نہیں ہوتے انبیاء علیہم السلام کے وارث دونوں طبقے ہوتے ہیں۔ لیکن وارثت سے زیادہ قریب یہی طبقہ ہوتا ہے۔ انتھی کلامہ بتوضیحہ شیخ شہاب الدین مقتول نے تلویحات میں نقل فرمایا ہے کہ میں نے جلسہ میں ارسطو کو دیکھا اور اس سے ادراک کی ماہیت پوچھی۔ میں نے ماہیت دریافت کر لی تو اس نے اپنے استاد افلاطون کی بڑی تعریف کی میں نے پوچھا کہ کیا متاخرین میں سے کوئی شخص اس کے مرتبہ کو پہونچا ہے تو کہا اس کے مرتبہ کو تو کیا پہونچتا اس کے کمال کے ستر ہزارویں جزو تک بھی کسی کی رسائی نہیں ہوئی اس کے بعد میں نے اسلام کے چند فلسفیوں کا ذکر کیا تو کسی کی طرف متوجہ نہ ہوا حتیٰ کہ میں نے اس کے سامنے بعض ارباب کشف و شہود مثلاً شیخ جنید بغدادی ابویزید بسطامی اور سہل بن عبداللہ تستری رحمہم اللہ کا ذکر کیا تو کہا اولئک ھم الفلاسفہ حقا یعنی حقیقت میں فیلسوف یہی لوگ ہیں۔

الغرض حکمت علم و عمل کے ہر دو شعبوں پر حاوی ہونے کا نام ہے وہ انسان جو دائرہ انسانیت کا مرکز بنتا ہے اس میں وہ تمام اخلاق حسنہ پائے جاتے ہیں جو علم الاخلاق میں ملکات فاضلہ یا مکارم اخلاق کہلاتے ہیں۔ یہ ملکات بلحاظ اتصاف ذمعنی مختص تو نہیں معلوم ہوتے لیکن اپنی نوعیت

تشکیک کی وجہ سے گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں اور اسی وجہ سے پیغمبروں اور خلفاء آلہی میں جو بطریق وہبی فضائل سے آراستہ ہوتے ہیں جس شدت اور زیادتی کے ساتھ پائے جاتے ہیں دیگر صنف انسانی میں نہیں پائے جاتے انبیاء کی قوتیں وہبی ہونا ان آیات شریفہ سے ظاہر ہے۔ چنانچہ اللہ جل شانہٗ حضرت عیسٰی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔ وایدناہ بروح القدس ہم نے اس کی تائید روح القدس سے کی ہے یعنے آپ کی صفات بشری پر صفات ملکی کو غالب فرما دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے۔ ولما بلغ اشدہ واستوی اٰتینٰہ حکماً وعلماً اور جب وہ اپنی قوت کو پہنچ گیا اور اس کی عقل کمال کو پہونچ گئی تو ہم نے اسے نبوت اور دانش عطا کی۔ حضرت اسحٰق ؑ اور یعقوب علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے وھبنا لہ اسحٰق و یعقوب و کلا جعلنا نبیا و وھبنا لھم من رحمتنا وجعلنا لھم لسان صدق علیا ہم نے ابراہیم کے لئے اسحٰق و یعقوب کو عطا کیا اور سب کو نبی بنایا اور ان کو اپنی رحمت عطا کی اور ان کو زبان صداقت دی جو بلند ہے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتا ہے۔ وانک لعلی خلق عظیم اور تحقیق تو بڑے اخلاق پر ہے۔ وما ارسلنا الا رحمۃ للعالمین اور ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر عالمین کے لئے رحمت۔ نیز فرماتا ہے۔ الم نشرح لک صدرک کیا ہم نے تیرے سینے کو تیرے لئے نہیں کھول دیا۔ ان آیات شریفہ سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے خاص خاص ہستیوں کو منتخب فرماتا ہے اور ان پر خاص خاص نعمتوں کا نزول فرماتا ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اخلاق عظیمہ سے متصف کر کے آپ کو رحمت للعالمین بنایا اور شرح صدر کی دولت سے سرفراز فرمایا اور بموجب وما ارسلناک

الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا ولکن اکثر الناس لا یعلمون تمام انسانوں کی ہدایت پر مبعوث ہونے کا خاص امتیاز عطا فرمایا اور وہ اخلاق عطا فرمائے جو سارے محاسن کا سرچشمہ اور تمام فضائل کا معدن ہے ؎

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

جناب ختمیت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خلق عظیم سے متصف کرنے کا فلسفہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کافۃ الناس کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا گیا اور آپ کی دعوت عام قرار دی گئی جس کی دعوت عام ہو اس کے اخلاق حسنہ بھی نہایت وسیع ہونا چاہئے تھا آنحضور کے اخلاق مبارکہ ہر شعبہ خلق میں کس قدر وسیع اور راسخ تھے، علما و سیرت مبارکہ سے مخفی نہیں ہے۔ حضور کے اخلاق طیبہ سے اندازہ اس مقدس وجود کے اخلاق کا ہو سکتا ہے جو آپ کے نقش قدم پہ چلے اور خطا سے معصوم ہو اور خلافت آلہی کی منصب جلیلہ سے ممتاز ہو حدیث یقفو اثری ولا یخطی جو مہدی کی شان میں وارد ہے، سے ظاہر ہے کہ مہدی خاتم النبیین کے نقش قدم پر چلیں گے اور ان کے اتباع میں خطا نہ ہوگی اور حدیث یقتتل عند کنزکم ثلثہ کلھم ابن خلیفۃ ثم لا یصیر الی واحد منھم ثم تطلع الرایات السود من قبل المشرق فیقتلونکم قتلا لم یقتلہ قوم ذکر شیئاً لا احفظہ فقال اذا رایتموہ فبایعوہ ولو حبوا علی الثلج فانہ خلیفۃ اللہ المہدی سے ثابت ہے کہ مہدی خلیفۃ اللہ ہوں گے اور حدیث کیف تھلک امتی انا فی اولھا المہدی من اھل بیتی فی وسطھا وعیسٰی فی آخرھا سے

واضح ہے کہ مہدیؑ کی بعثت اُمّت محمدیہ کو ہلاکت سے بچانے کے لئے ہوگی۔ اُمّت کو ہلاکت سے بچانے کا معنی یہی ہو سکتا ہے کہ اخلاق مجسم کا نمونہ بن کر دنیا کے سامنے پیش ہو۔ اور دنیا کو اولوالعزمی استقامت، توکل، صبر، عبادت، رضا، ایثار وغیرہ اخلاق حسنہ کا سبق دے۔ امامنا حضرت سید محمد جونپوری مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۸۸۷ھ ہجری سے ۹۱۰ھ ہجری تک مسلسل (۲۳) سال مہدیت کا دعویٰ فرمایا اس عرصہ دراز میں ہندوستان سے ایران و خراسان اور عرب تک سفر و سیاحت کر کے مہدیت کی تبلیغ فرمائی۔ جناب مہدیت مآب کی اس (۲۳) سالہ حیات طیبہ کے سوانح سے آپ کے جن جن اخلاق طیبہ پر روشنی پڑتی ہے ان سب کو ضبط قلم کرنا ایک اہم کام ہے اور ایک اہم فریضہ ہے چونکہ جناب ولایت مآب مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق حسنہ پر بحث کرنی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے خلق اور اس کے اقسام پر اجمالی بحث کی جائے۔ خلق نفس کے اس ملکہ کو کہتے ہیں جو اس سے فکر و تامل کی احتیاج کے بغیر آسانی سے صدور افعال کا مقتضی ہوتا ہے۔ اور ملکہ نفس میں ایک استوار کیفیت کے ہونے کا نام ہے نفسانی کیفیت اگر سریع الزوال ہو تو اسے حال کہتے ہیں اگر بطی الزوال ہو تو اسے ملکہ کہتے ہیں۔ علمائے علم اخلاق نے لکھا ہے کہ نفس ناطقہ انسانی میں دو قوتیں ہوتی ہیں ایک قوت ادراک دوسری قوت تحریک۔ قوت ادراک کے دو شعبہ ہیں ایک شعبہ عقل نظری دوسرا شعبہ عقل عملی اسی طرح قوت تحریک کے بھی دو شعبے ہیں ایک شعبہ قوت غضبی اور دوسرا شعبہ قوت شہوی۔ شعبہ عقل نظری کی تہذیب سے حکمت حاصل ہوتی ہے اور شعبہ عقل عملی کی تہذیب سے عدالت پیدا ہوتی ہے۔ شعبہ قوت غضبی کی تہذیب سے شجاعت پیدا ہوتی ہے اور شعبہ قوت شہوی کی تہذیب سے عفت پیدا ہوتی ہے۔ نفس انسانی کے ان ہی فضائل کو فضائل اربعہ یا ملکات فاضلہ یا مکارم اخلاق

کہتے ہیں فضائل مذکورہ میں سے ہر فضیلت کے انواع و اقسام ہیں۔ حکمت کے انواع بے شمار ہیں۔ لیکن مشہور سات قسمیں ہیں۔

ذکاء[1] ۔ سرعت فہم[2] ۔ صفائی ذہن[3] ۔ سہولت تعلم[4] ۔ حسن تعقل[5]
تحفظ[6] ۔ تذکر[7] ۔

ذکاء مقدمات سے نتائج بآسانی اور بہ سرعت استخراج کرنے کو کہتے ہیں۔

سرعت فہم۔ ملزوم سے لازم کی طرف بغیر کسی درنگ کے ذہن کے منتقل ہونے کا نام ہے۔

صفائی ذہن۔ بغیر کسی تشویش اور اضطراب کے مطلوب کو مستخرج کرنے کے استعداد کو کہتے ہیں۔

سہولت تعلم۔ مطلوب کی طرف توجہ کلی ہونے کا نام ہے تاکہ بغیر مزاحمت خواطر متفرقہ کے آسانی سے مطلوب کا اکتساب کیا جاسکے۔

حسن تعقل۔ ہر مطلب کی بحث اور استکشاف کرنے میں ایک مناسب حد کی حفاظت کرنے کو کہتے ہیں۔ اس طرح کہ کوئی ضروری امر متروک نہ ہونے پائے اور کسی امر زائد کا استعمال نہ ہو۔

تحفظ۔ معقولہ یا محسوسہ صورتوں کو اچھی طرح ضبط کرنے کو کہتے ہیں۔

تذکر۔ وہ ملکہ ہے جس کے ذریعہ سے محفوظات کو مستحضر رکھا جائے اس طرح کہ جس وقت چاہے بغیر کسی تکلیف کے حاضر ہے۔

شجاعت کے تحت گیارہ قسمیں ہیں۔

کبر نفس[1] ۔ نجدت[2] ۔ علو ہمت[3] ۔ ثبات[4] ۔ حلم[5] ۔ سکون[6] ۔
شہامت[7] ۔ تحمل[8] ۔ تواضع[9] ۔ حمیت[10] ۔ رقت[11]

کبر نفس۔ یہ ہے کہ نفس عزت اور ذلت کی پرواہ نہ کرے اور اپنی مدح اور اپنی مذمت یا حالت تونگری یا حالت محتاجی سے ذرا بھی متاثر نہ ہووے

احوال کے بدلنے سے نفس میں ذرا بھی تغیر نہ پیدا ہو یہی ایک ایسا ملکہ شریفہ ہے کہ طالبان راہ مولیٰ منزل مقصود کی بلندیوں پر اس نردبان کے بغیر چڑھ نہیں سکتے ہیں۔

اس وجہ سے مشائخین متصوفین قدس اللہ اسرارہم نے کہا ہے

اخر ما یخرج من راس الصدیقین حب الجاہ ولا یجد لذۃ الفقر من لم یستو عندہ المدح والذم

سب سے آخری چیز جو صدیقین کے سر سے نکلتی ہے وہ جاہ کی محبت ہے۔ اور جس فقیر کے پاس مدح اور ذم دونوں یکساں نہیں ہوتے اس کو فقیری کی لذت نہیں ملتی۔

نجدت۔ اپنی ثابت قدمی پر نفس کو بھروسہ ہونے کا نام ہے اس طرح کہ مصیبتوں کے نازل ہونے کے وقت بے قرار نہ ہووے اور بے ترتیب حرکتیں اس سے صادر نہ ہوں۔

علو ہمت۔ یہ ہے کہ نفس جمیل حقیقی اور کمال نفسانی کی طلب میں اس دنیا کے نفع اور نقصان کا کچھ بھی خیال نہ کرے حصول نفع سے خوش اور فقدان منافع سے غمگین نہ ہووے حتیٰ کہ کمال نفسانی کے حاصل کرنے میں اسے موت کا بھی خوف نہ ہو۔ چنانچہ الموت تحفۃ المومن کے موافق حصول کمال میں موت کو تحفہ سمجھے۔

ثبات۔ آلام و مصائب کے ساتھ مقابلہ کرنے کی قوت کا نام ہے حتیٰ کہ آلام و شدائد کی زیادتی کا اس پر کچھ بھی اثر نہ ہو۔

حلم۔ نفس کی اس طمانیت کو کہتے ہیں کہ اس کی وجہ سے کبھی مغلوب الغضب نہ ہووے۔

سکون۔ یہ ہے کہ دین و ملت کی یا عصبیت یا حشمت نفس کی حفاظت کے لئے جو جنگ اور مخاصمت کی جائے اس میں طیش کا اظہار نہ کرے۔

شہامت ـ اجر عظیم اور ذکر جمیل حاصل کرنے کی خاطر بڑے بڑے
امور کے اکتساب میں نفس کے حریص ہونے کو کہتے ہیں۔

تحمل ـ اس ملکہ کو کہتے ہیں کہ فضائل حمیدہ کے حاصل کرنے میں قوائے
جسمانی کو استعمال میں لائے اور ان کو فرسودہ کرے۔

تواضع ـ یہ ہے کہ اپنے کو ان لوگوں پر جو اپنے سے مرتبہ میں کم ہیں کوئی
فوقیت نہ دے۔

حمیت ـ یہ ہے کہ ملت اور حرمت کی حفاظت میں سستی جائز نہ رکھے
اور اس میں انتہائی کوشش کو لازم سمجھے۔

رقت ـ ابنائے جنس کے دکھ درد کو دیکھکر اس طرح متاثر ہونے
کو کہتے ہیں کہ احوال میں کوئی اضطراب نہ پیدا ہو۔

عفت کے تحت حسب ذیل بارہ انواع ہیں۔

حیا[1] ـ رفق[2] ـ حسن ہدی[3] ـ مسالمت[4] ـ دعت[5] ـ صبر[6] ـ
قناعت[7] ـ وقار[8] ـ ورع[9] ـ انتظام[10] ـ حریت[11] ـ سخا[12]

حیا ـ امر قبیح کی قباحت معلوم ہوتے ہی استحقاق مذمت سے بچنے
کے لئے فوراً ارتکاب قبیح سے بچنے کو حیا کہتے ہیں ـ جناب رسالت مآب صلی اللہ
علیہ وسلم فرماتے ہیں ـ الحیاء خیر کلہ

رفق ـ جو امور بطریق تبرع واحسان حادث ہوں نفس ان کا مانع
نہ ہونے اور ان کا منقاد ہوجانے کو کہتے ہیں۔

حسن ہدی ـ طلب کمال میں نفس کی سچی رغبت کو کہتے ہیں۔

مسالمت ـ مختلف آراء کے تصادم اور مختلف خواہشات کے
ہجوم کے وقت نفس میں مجاملت کی طاقت ہونے کو کہتے ہیں۔

دعت ـ حرکت شہوت کے وقت میں نفس کے سکون کو کہتے ہیں۔

صبر ـ خواہش کے ساتھ نفس کے مقابلہ کو کہتے ہیں تاکہ لذات قبیحہ

کا اس سے صدور نہ ہو۔ قال اللہ تعالیٰ واما من خاف
مقام ربہ ونہی النفس عن الہوی فان الجنۃ
ہی المأوی ـ صبر ـ نبوت اور فتوت کا زیور ہے اللہ جل شانہ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے ـ فاصبر کما صبر اولوا العزم من
الرسل ـ اے محمد تم صبر کرو جیسا کہ اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا
حدیث شریف الصبر مفتاح الفرج اور حدیث شریف النصر
مع الصبر سے معلوم ہوتا ہے کہ کشائش اور نصرت صبر ہی سے
وابستہ ہے۔

قناعت ـ کھانے پینے پہنے کی چیزوں میں سے آسان چیزوں کو
لینے اور قدر ضرورت پر اکتفا کرنے کو کہتے ہیں لیکن اس لئے نہیں کہ مال جمع
کریں بلکہ اس سبب سے کہ نفس ان کو حقیر و خوار سمجھے۔ جناب رسالت
مآب صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ـ القناعۃ کنز لا یفنی
قناعت ایک ایسا خزانہ ہے جو فنا نہیں ہوتا ہے وقار نفس کا اطمینان اور
جلد بازی سے احتراز کرنے کو کہتے ہیں ـ حضرت رسالت مآب متمم مکارم
اخلاق فرماتے ہیں ـ العجلۃ من الشیطان والتانی من
الرحمٰن

امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ جو اکابرین علماء دین متین میں سے ہیں
فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو نماز جمعہ فوت ہونے کا خوف ہو تو باوجود اس کے بھی
راستہ چلنے میں جلدی نہ کرے تانی اور اعتدال سے منحرف نہ ہوئے۔

انتظام ـ نفس میں حسب مصلحت امور کے اندازہ کرنے کا ملکہ پیدا
ہونے کو کہتے ہیں۔

حریت ـ نیک ذرایع معاش سے مال حاصل کرنے اور نیک مصارف
میں صرف کرنے برے ذرایع معاش سے بچنے اور برے مصارف میں پیسہ

صرف کرنے سے باز رہنے کو کہتے ہیں۔

سخا[۱۱] جتنا بھی مال ہو اس کے خرچ کرنے میں پروا نہ کرنے کو کہتے ہیں اس طرح کہ جس کو دینا چاہئے اس کو جس قدر چاہے دے۔

جوامع الکلم مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو سخاوت کے لئے برگزیدہ کیا ہے اور سخاوت اور حسن خلق کے سوائے کوئی چیز اسلام کو اصلاح پر نہیں لاتی۔ پس اپنے دین کو ان دو چیزوں سے مزین فرمایا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے سب سے پہلی چیز جسے قیامت کے دن میزان حساب میں رکھیں گے وہ حسن خلق اور سخاوت ہوگی اور جب اللہ تعالیٰ نے ایمان کو پیدا کیا تو اس نے کہا اے خدا مجھے قوی بنا تو اللہ تعالیٰ نے اسے حسن خلق اور سخاوت سے قوی بنایا اور جب کفر کو پیدا کیا تو اس نے کہا اے اللہ مجھے قوی ناتواں بنا تو اسے بخل اور بد خلقی سے قوی بنایا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ کفار بنی عشر کی ایک جماعت کو قید کر کے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تو آنحضور نے فرمایا کہ سب کو قتل کر دو مگر ان میں سے ایک کو چھوڑ دو امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا خدا ایک ہے دین ایک ہے اور ان سب کا گناہ ایک ہے پھر کیا حکمت ہے کہ ایک کو ان میں سے نجات دی جا رہی ہے تو فرمایا کہ جبرئیل آئے تھے اور کہا کہ سب کو قتل کر اور اس کو چھوڑ دے کیونکہ یہ سخی ہے اور اس کی سخاوت ہمارے پاس پسندیدہ ہے نیز حدیث میں وارد ہے کہ الجنۃ دار الاسخیا جنت سخیوں کا گھر ہے۔

عدالت کے تحت بارہ انواع ہیں۔

صداقت[۱] ـ الفت[۲] ـ وفا[۳] ـ شفقت[۴] ـ صلہ رحم[۵] ـ مکافات[۶]
حسن شرکت[۷] ـ حسن قضا[۸] ـ تودد[۹] ـ تسلیم[۱۰] ـ توکل[۱۱] ـ عبادت[۱۲]

صداقت[۱] ـ دوستی صادق کو کہتے ہیں۔ صدق محبت کی علامت یہ ہے

کہ دوستی کے احکام جس حد تک شرعاً اور عقلاً اٹھا سکتے ہیں اٹھا دیئے جائیں اور اتحاد کے رابطہ کو مضبوط کریں اس طرح کہ جو بات اپنے لئے نہ پسند کریں اپنے دوست کے لئے بھی نہ پسند کریں اور جو اپنے حق میں چاہیں اپنے دوست کے حق میں چاہیں۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں لایومن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ مومن نہ ہوگا تم میں کا کوئی حتی کہ دوست رکھے اپنے بھائی کے لئے اس چیز کو جسے دوست رکھتا ہے اپنے نفس کے لئے۔

الفت[۲] یہ ہے کہ ایک جماعت کی رائیں اور ان کے عقیدے ایک دوسرے کی معاونت میں متفق ہوں۔

وفا[۳] ـ یہ ہے کہ غمخواری کے طریقہ سے تجاوز جائز نہ رکھے اور بعض علماء وفا وعدوں کے پورا کرنے اور حقوق کے ادا کرنے کو کہتے ہیں۔

شفقت[۴] اس امر نا ملایم و ناموافق سے جو کسی پر واقع ہو متاثر ہونے اور اس کے زائل کرنے میں لگے رہنے کو کہتے ہیں۔

شیخ شبلی قدس اللہ سرہ العزیز سے منقول ہے کسی نے چوپائے کو لکڑی سے مارا تو ضرب کا اثر ان کے اعضاء پر ظاہر ہوا۔ اس کا راز جلال الدین محقق دوانی نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ وہم امور طبعی میں فعال ہوتا ہے اسی لئے ترش کے خیال سے دانتوں میں سستی پیدا ہو جاتی ہے اور اونچی دیوار پر چڑھ کر اس پر سے آمد و رفت کرے تو بعض وقت انسان گر جاتا ہے اگر زمین پر اتنی ہی تنگ چوڑان پر سے گزرے تو گرتا نہیں۔

صلہ رحم[۵] ـ یہ ہے کہ اپنے قرابت دار کو اپنی دولت اور آرام میں اپنا شریک بنائے جیسا کہ قرابت صوری کا حق ہے ویسا ہی قرابت معنوی کا بھی حق ہے یعنی تناسب روحانی تمام انسانوں میں شریک ہے اس تناسب کا نام قربت ہے اس صلہ رحمی کے حق کو بھی بجا لائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں المقرابۃ لحمۃ ودم والمقربۃ روح ونفس رشتہ ان ما بینھما

یعنی قرابت گوشت اور خون ہے اور قربت روح اور نفس ہے ان دونوں میں کس قدر فرق ہے۔

مکافات[6] یہ ہے کہ اگر کسی سے کوئی نفع پہونچے تو اس کے مثل یا اس سے زیادہ اس کو نفع پہونچائے اگر کسی سے کوئی نقصان پہونچے تو اس سے کمتر اس کا بدلہ لے۔

حسن شرکت[7] یہ ہے کہ معاملات ایسے طریقہ پر کرے کہ شرکاء کے انحراف خاطر کا باعث نہ ہو اور ان معاملات میں حتی الامکان قانون عدالت کی محافظت کی جائے۔

حسن قضا[8] یہ ہے کہ لوگوں کے حقوق ادا کرے اور اپنے آپ کو مذمت اور ملامت سے دور رکھے۔

تودد[9] یہ ہے کہ معاصرین اور افاضل کی دوستی کا حسن کلام اور انعام و اکرام اور دیگر اسباب کے ذریعہ سے جو باعث جلب محبت ہو سکتے ہیں جویاں رہے۔

تسلیم[10] یہ ہے کہ احکام خدا و رسول کا پابند رہے اور حسن قبول کے ساتھ ان کی تعمیل کرے اگرچہ اس کی طبیعت کے موافق نہ ہوں۔

توکل[11] یہ ہے کہ اُن امور میں جو قدرت بشری سے خارج ہیں اور اندیشہ انسانی کو دخل دینے کی گنجائش نہیں زیادتی و نقصان یا تعجیل و تاخیر کا خواہاں نہ ہو ان امور کو نعم الوکیل کے حوالے کرکے فضول خیالات کو برطرف کر دے۔

عبادت[12] یہ ہے کہ مبدء حقیقی کی تعظیم و تمجید کرے جس نے کتم عدم سے مشہد وجود میں لایا اور غیر متناہی نعمتیں اپنے خزانۂ الطاف سے عنایت فرمائیں اور اس کے مقربان بارگاہ یعنی ملائک انبیاء و صحابہ تابعین اولیاء حکمائے متالہین اور اتقیا کی تعظیم کرے اور احکام شریعت کی عظمت کرے۔ اور رسوم ملت کے وظائف بالالتزام بجالانے کا ملکہ پیدا کرے اور تقویٰ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے۔ واضح ہو کہ تفصیل عبادت کے ادراک کا مقام شریعت ہے اس کے بعد

اب ہم امام ہمام سیدنا مہدی موعود علیہ السلام کے اخلاق حسنہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اللھم ایاك نستعین وعلیك نتوكل۔

حمیت و انتظام

جب جناب سیدنا مہدی موعود علیہ السلام کے جذبے کے ایام تمام ہو چکے تو حضرت کو اللہ جل شانہ کا فرمان ہوا کہ اے سید محمدؐ میرے لئے ہجرت کر اور لوگوں کو میری طرف بلا' اس وقت اواخر جمادی الاولیٰ ۸۸۷ھ ہجری تھا اور عمر شریف حضرت کی چالیس سال کی تھی اس فرمان کے ہوتے ہی آپ نے حج بیت اللہ کا ارادہ فرمایا بادشاہ وقت سلطان حسین[1] کو یہ کیفیت پہونچی تو سلطان نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یہ سلطنت بطفیل آپ کے مجھے ملی ہے اور اس کا قیام بھی آپ ہی کے قدم مبارک سے ہے حضرت کا جونپور چھوڑ جانا مجھے ہرگز گوارا نہیں اگر آپ تشریف لے جاتے ہیں تو بندہ بھی سلطنت چھوڑ کر حضرت کے ہمراہ رکاب ہوتا ہے آپ نے فرمایا۔

آلہی دل بجائے بستہ گردد
کزاں دلبستگی جاں رستہ گردد
مبادا دل بجائے بستہ گردد
کزاں دلبستگی جاں خستہ گردد

سلطان سے کہا اگر تم ہمارے ساتھ ہو جاؤ گے تو کفار پھر سر اٹھائیں گے اور مسلمان تباہ ہو جائیں گے یہ فرما کر سلطان کو ایمان کی بشارت دی۔ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ بادشاہ کو اپنے ساتھ چلنے اور ترک سلطنت کرنے سے اس لئے منع فرمایا کہ آپ میں ملکۂ حمیت پوری پوری طرح موجود تھا جو تحت شجاعت بیان کیا گیا ہے۔ نیز اس واقعہ سے اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام ہر اس شخص کو جو آپ کے دائرہ عقیدت میں داخل ہوتا تھا ساتھ ہی ترک کسب

---

[1] سلطان حسین متقی اور پرہیزگار اور مرتبہ پر امیر عادل و ولی کامل کے تھے۔

کے لیے مجبور نہیں فرماتے تھے۔ ایسا ہی ہوتا تو سلطان ترک سلطنت کر دیتے بلکہ
جب انہوں نے اظہار خواہش ترک سلطنت کیا تو آپ نے منع فرمایا نہ صرف ترک
سلطنت کو بلکہ اپنے ساتھ چلنے کو بھی اس سے لوگوں کا وہ وہم دفع ہو جاتا ہے جو
امامنا علیہ السلام کے اصول تلقین کے متعلق کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ آپ کے اصول تعلیم
میں دینی و دنیاوی ہر دو اصلاحیں نہیں ہیں۔ جیسا کہ اسلام میں ہیں۔ نیز اس واقعہ
سے ظاہر ہے کہ جناب ولایت مآب میں انتظام کا ملکہ کس قدر راسخ تھا۔ جو فضیلت
عفت کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ حسب مصلحت امور کا اندازہ کرنے کا نام
انتظام ہے اور یہاں مصلحت یہی تھی کہ سلطان حسین ترک سلطنت کر کے حضرت
مہدی علیہ السلام کے ساتھ نہ ہوتے۔ نیز ایمان کی بشارت دینے سے یہ امر ظاہر ہے کہ
آپ ابتدا ہی سے کسی ایسے مصدق کو جو بہ حالت کسب ہو غیر مومن نہیں سمجھتے
تھے۔ نیز خلاف مصالح دینی آمادگی ترک سلطنت کے متعلق تعارض کا استنباط
بھی ظاہر ہے۔ یہ خیال نہ کیا جائے کہ یہ واقعہ دعوت سے پہلے کا ہے لہٰذا قابل حجت
نہیں کیونکہ آپ کی روانگی اس حیثیت سے ہو رہی تھی کہ آپ دعوت الی اللہ پر
مامور ہو چکے تھے۔ چنانچہ مولود میاں شاہ عبدالرحمٰن کی عبارت یہ ہے: "بعدہٗ فرمان
حق تعالیٰ رسید سید محمد ابرائے ماہجرت کن و حج بیت الحرام برو۔ ہمان جا دعوت
کو روی خواہد داد یعنی ایام جذبہ ختم ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا اے سید محمد
ہمارے لئے ہجرت کر اور بیت الحرام کی حج کے لئے جا اسی جگہ تیری دعوت ظاہر ہو گی اس
سے ظاہر ہے کہ آپ دعوت پر مامور ہو چکے تھے صرف مقام دعوت پر پہونچ کر دعویٰ
کا اظہار باقی تھا پس آپ نے سلطان حسین سے جو کچھ فرمایا منصب دعوت الی اللہ پر
مامور ہونے کے بعد فرمایا اگر یہ حکم جونپور میں نہ ہوتا بلکہ مکہ پہونچنے کے بعد ہوتا تو یہ کہہ سکتے
تھے کہ آپ دعوت الی اللہ پر مامور نہ تھے علاوہ بریں بندگی ملک الہداد خلیفہؓ گروہ
رضی اللہ عنہ محمود بیگڑہ کی نامی گرامی امراؤں میں سے تھے۔ پٹن میں مہدی علیہ السلام
کی تصدیق کا شرف حاصل کرنے کے بارہ یا تیرہ سو سال بعد ترک دنیا کی اس وقت

امامنا مہدی علیہ السلام اور سیدنا ثانی مہدی رضی اللہ عنہ کا وصال ہو چکا تھا سنہ ۹۰۶ سے پہلے
سنہ ۹۰۶ ہجری میں جب کہ امامنا علیہ السلام کا دعویٰ موکد ہو چکا تھا زبدۃ الملک حاکم
جالور ملک عثمان خاں لوہانی رحمۃ اللہ علیہ نے خود تصدیق کی اور اپنی رعایا میں منادی
کرائی کہ میں نے تحقیق کے بعد تصدیق کر لی ہے اور جو شخص چاہتا ہے بعد تحقیق کرے
ہزاروں نے بعد تحقیق امامنا علیہ السلام کی تصدیق کی لیکن تصدیق کے ساتھ ہی
ملک عثمان خاں اور ان کی رعایا کا ترک کسب کرنا کسی روایت سے ثابت نہیں
ہے علی ہذا القیاس شاہ بیگ میر ذوالنونؒ نے بھی جسے ابوالغازی مرزا سلطان حسین
بن منصور شاہ خراسان نے قندہار کا گورنر بنایا تھا۔ آپ کے علامات و خوارق
عادات دیکھنے اور وعظ سننے کے بعد تصدیق کی کامل تین روز تک امامنا علیہ السلام
کی مہمانی کی تین روز کے بعد نہایت عاجزی سے اور چند روز دعوت قبول کرنے کی
درخواست کی حضرت نے قبول نہ کر کے ارشاد فرمایا کہ سنت نبوی ہو گئی جس وقت
آپ نے قندہار سے فرہ کا ارادہ فرمایا چار میل تک پیادہ یا گھوڑے کی رکاب تھامے
ہوئے ساتھ رہا پھر امامنا علیہ السلام نے صوبہ صاحب کو رخصت دی اس طرح میر
ذوالنون گورنر فرہ کی تصدیق ثابت ہے لیکن تصدیق کے ساتھ ہی ترک کسب
کا ثبوت نہیں ملتا۔ تین روز تک امامنا علیہ السلام نے گورنر فرہ کی مہمانی قبول
فرمائی۔ ابوالغازی مرزا سلطان حسین بادشاہ خراسان نے بھی تصدیق امام علیہ السلام
کی ملاقات کے لئے آ رہے تھے کہ راستہ ہی میں بحالت فالج ضعف و نقاہت کی وجہ
سے انتقال ہو گیا۔ امامنا علیہ السلام نے سلطان پر غائبانہ نماز جنازہ ادا کی۔
ملک نجن رضی اللہ عنہ نے جوانی میں تصدیق کی تھی امامنا علیہ السلام کے وصال کے بعد
سید محمود خاتم المرشدین ابن صدیق ولایت رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ترک دنیا کی
آپ سفر خراسان میں امامنا علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ سندھ کے ایک مقام
میں آپ کو اپنی دولت و راحت کا خیال آیا تو حضرت مہدی علیہ السلام نے ان کو
واپسی کی اجازت دی اور وہ پٹن گجرات آ کر اپنی قدیم منصب پر بحال ہو گئے۔

سیدنا حضرت ثانی مہدی رضی اللہ عنہ نے امام علیہ السلام سے پوچھا کہ مفلس کے ترک دنیا اور مالدار کے ترک دنیا میں کچھ فرق ہے ایک روایت میں ہے کہ بغیر کسب کئے ترک دنیا کرنے اور کاسب کے ترک دنیا کرنے میں کیا کچھ فرق ہے تو امام علیہ السلام نے فرمایا کیوں نہیں بڑا فرق ہے جتنا مال و متاع چھوڑ دے گا اجر ملے گا۔[1] لہٰذا سید محمود رضی اللہ عنہ نے کسب معاش کے لئے حضرت امامنا علیہ السلام سے رخصت لی اور چاپانیر تشریف لے گئے بتوسط ملک عثمان باڑیوال صوبہ دار پٹن گجرات دو سو سواروں کا منصب آپ کے لئے مقرر ہوا انتخاب الموالید میں چہل ہزاری منصب لکھا ہے۔ اور ویرم گام اور سانجور جاگیر عطا ہوئی۔

نگر ٹھٹھہ سے جس وقت جناب سید خوندمیر رضی اللہ عنہ اور شاہ نعمت رضؓ شاہ عبدالمجید شیخ محمد کبیر اور میاں یوسف رضی اللہ عنہم امامنا علیہ السلام کے حکم سے گجرات گئے۔ اس وقت سید سلام اللہ رضی اللہ عنہ نے جناب سید محمود رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ یہاں مہدویوں کو ولایت محمدی کا فیض تمہارے مقدس باپ خاتم ولایت محمدی کے ہاتھوں بیدریغ مل رہا ہے اور تم کو خود فرزند ہو کر باوجود اس قابلیت و اعلیٰ لیاقت کے دور رہنا قرین مصلحت نہیں ہے۔ اس خط کے لکھنے کے بعد حضرت سیدنا مہدی موعود علیہ السلام نے خط کو ملاحظہ کر کے فرمایا اس طرح نہ لکھو بلکہ اس طرح لکھو کہ "جہاں تم ہو میں بھی وہاں ہوں اور جہاں میں ہوں وہاں تم ہو ظاہری دوری کا اعتبار نہ کرو میں تم سے جدا نہیں ہوں"۔ اس خط کے دیکھتے ہی ثانی مہدی رضی اللہ عنہ کا دل برخاستہ ہو گیا اسی فکر میں ایک روز جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اور جناب امام الآفاق مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امام علیہ السلام نے آپ کا

---

[1] ایک روایت میں مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ برابر ہے بادشاہ کے لئے بادشاہی اور بیوہ عورتوں کے لئے گھر کا شکستہ سامان۔

دایاں یا بایاں ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ اب تم یہاں سے چلے جاؤ اسی وقت آپ ہوشیار ہو گئے اور اپنے کو صحن خانہ میں پایا اور بانی رتنی یا بی بی کد بانو رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں تلوار اور قرآن شریف منگوایا اور بیوی سے فرمایا کہ بندہ جناب مہدی موعود علیہ السلام کی خدمت میں جائے گا آپ کی اہلیہ محترمہ بھی ساتھ ہو گئیں زر و زیور فروخت کر کے ملازمین کی تنخواہیں ادا کر دیں اور منازل طے کرتے ہوئے امامنا علیہ السلام کی خدمت میں پہونچ گئے۔

واضح ہو کہ روایات مذکورہ کو ملخصاً بیان کیا گیا ہے ان روایات سے واضح ہے کہ مذہب مہدویہ تصدیق امامنا علیہ السلام کے ساتھ ہی ترک کسب کرنے پر مجبور نہیں کرتا۔ اجازت دیتا ہے کہ بحفظ حدود کسب۔ کسب کرے اور شوق کامل کے ساتھ ترک دنیا کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الکاسب حبیب اللّٰہ فرمایا ہے تو امامنا علیہ السلام جو آپ کے تابع تام تھے کس طرح ناجائز قرار دیتے البتہ آپ نے یہ ضرور فرمایا ہے کہ خدا کی یاد سے غفلت حرام ہے مسلمان کسب کرے لیکن امور دنیا میں اتنا نہ رہے کہ خدا کی یاد اور اس کی طلب اور اس کی عبادت سے غافل ہو جائے امام علیہ السلام کی نقل ورائے ترک ایمان نیست صحیح ہے۔ علماء نے دنیا کے معنی غفلت کے لئے ہیں۔ لہٰذا جو کاسب اتباع احکام خدا اور رسول میں رہ کر کسب کرے اس کا کسب بھی ترک سے جدا نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت سید محمود ثانی مہدی رضی اللہ عنہ نے بندگی ملک الہداد رضی اللہ عنہ کو جب وہ فقراء کی اجماع سے اٹھ کر جانے لگے پکڑ کر بٹھالیا اور ارشاد فرمایا کہ "بھائی داود تم ہم میں کے ہیں" اور اس وقت بندگی ملک الہداد رضی اللہ عنہ کاسب تھے۔ حاصل یہ ہے کہ مذہب مہدویہ میں کسب کی رخصت ہے اور ترک طریق عالیت ہے اور منجملہ فرائض طریقت کے ہے۔

ہر شخص کو اپنے حصہ عمر میں اس فرض کی ادائی کرنا ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ دیگر فرائض دین کی ادائی ضروری ہے اور عقل و بلوغ کا ہر زمانہ اس فرض کی ظرفیت کی

کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ثبات وصبر و تسلیم ورضا

جناب سیدنا امام مہدی علیہ السلام مقام چندیری سے مانڈو تشریف لے گئے تو اس وقت مانڈو کا حاکم نصیر الدین تھا جو اپنے باپ سلطان غیاث الدین کو قید کر کے اپنی حکمرانی کا اعلان کر دیا تھا۔ دوسری ربیع الاول کو مقام مانڈو میں امامنا علیہ السلام نے مساکین اور غربا کو کھلانے کے لئے پخت کی تیاری کی اور جب قیلولہ کا وقت پہونچا تو اپنے فرزند میراں سید محمود رض کے ذمہ پخت کا اہتمام کر کے قیلولہ کی غرض سے روانہ ہوئے جناب سید محمود اپنے بھائی سید اجمل رضی اللہ عنہ کو جو جناب امامنا علیہ السلام کے چھوٹے فرزند تھے گود میں لئے ہوئے دیگدان کے نزدیک کھڑے ہوئے تھے کہ قضارا اچھلکر چولھے کی آگ میں گر گئے اور جان بحق تسلیم ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میراں سید محمود اس سانحہ سے بہت اندوہگیں ہوئے اور اپنے حجرہ میں جا کر بحالت اندوہ حجرہ کا دروازہ بند کر کے بیٹھ گئے جناب امامنا علیہ السلام کو معلوم ہوا تو میراں سید محمود کے حجرہ کی طرف آئے اور بلاکر ارشاد فرمایا اس قدر غمگین اور دل گیر کیوں ہو اور آپ کا رنج دلاسا دیکر دور فرمایا اور ارشاد فرمایا اگر سید اجمل زندہ رہتا تو تمہارے مقام کو پہونچتا (از مولود میاں شاہ عبدالرحمٰن رح) اور شواہد الولایت کی روایت یہ ہے کہ حضرت امامنا علیہ السلام کو فرمانِ حق تعالیٰ کا ہوا کہ اگر ہم سید اجمل کو حیات عطا کرتے تو تیرا قائم مقام بنتے اور یہ جائز نہیں ہے کہ تیری ذات کا مقابلہ ہو یعنے یہ جائز نہیں ہے کہ پھر کوئی شخص خاتم ولایت اور مہدی موعود ہو۔

مولود میاں شاہ عبدالرحمٰن رح سے ظاہر ہے کہ اس وقت جناب سید اجمل کی عمر اٹھارہ مہینے کی تھی اور ایک روایت میں ہے کہ جناب سید اجمل چندیری میں پیدا ہوئے اور چھ مہینے کی عمر میں مانڈو میں رحلت پائی لیکن صحیح روایت وہی ہے جو مولود میاں شاہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ میں مذکور ہے۔

میاں شاہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یہ پخت جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عرس شریف کی تقریب میں ہوئی تھی لیکن صاحب شواہد الولایت رحمتہ اللہ علیہ نے اس کا ذکر نہیں فرمایا۔ مولود میاں شاہ عبدالرحمٰن کے الفاظ یہ ہیں۔

"حضرت میراں علیہ السلام عرس حضرت رسالت پناہ بضیافت انبوہ تشریح نمودند بمورخ اثنا شہر ربیع الاول" اس عبارت میں بمورخ اثنا شہر ربیع الاول کے الفاظ ممکن ہے کہ نقل ہوتے ہوتے موجودہ صورت اختیار کر لئے ہوں کیونکہ مورخ اثنا عشر ربیع الاول سے اثنا شہر ربیع الاول بن جانا آسان ہے اثنا عشر کے معنی بارہ ہے اور اثنا شہر ربیع الاول میں شہر ربیع الاول کا معنی ماہ ربیع الاول ہوتا ہے لیکن اثنا کا لفظ بے معنی سا رہ جاتا ہے ممکن ہے کہ اثنا کو اثنان سمجھ کر دوسری ربیع الاول کا معنی لیا گیا ہو۔ جمہور مورخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وفات ۱۲/ ربیع الاول ہے لیکن صاحب تاریخ روضتہ الصفا نے لکھا ہے کہ بعض کے پاس تاریخ وفات ربیع الاول کی دوسری تاریخ ہے ہم نے مولود میاں شاہ عبدالرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ کے جس نسخہ سے نقل کیا ہے اس نسخہ کے اسناد بہت قوی ہیں یعنی سنہ ۱۱۰۱ھ میں قصبہ ڈبوئی میں مولانا حضرت سید شہاب الدین عرف چھابوجی ابن میاں سید غیاث الدین رحمہا اللہ نے میاں شاہ عبدالرحمٰن رح کے دستخطی نسخہ سے نقل کیا تھا پھر چھابوجی صاحب رح کے نسخہ سے سنہ ۱۲۹۲ ہجری میں میاں سید محمود بن میاں سید سعد اللہ صاحب رح تشریف اللہی نے نقل کیا اثنان شہر ربیع الاول ہو یا اثنا عشر ربیع الاول وجوب تعین یوم ایصال ثواب پر حجت نہیں کیونکہ آئندہ حیات طیبہ میں اس کی پابندی کی روایات مروی نہیں ہیں۔

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ثبات اور صبر کی قوتوں کو کس قدر رسوخ اور استحکام کے ساتھ مرکوز فرمایا تھا۔

ایسے سانحۂ جاں گداز سے عام قلوب انسانی کس اضطراب اور قلق کا نشانہ بنتے ہیں ظاہر ہے لیکن یہ خلافت آلہی کی شان ہے کہ نہ صرف اپنی جگہ سکوت سے کام لیتے ہیں بلکہ میراں سید محمود رضی اللہ عنہ برادر کلاں میاں سید اجمل رضی اللہ عنہ کی دلداری فرماتے ہیں۔

آپ کے بڑے صاحبزادہ کے گود سے آپ کے شیر خوار صاحبزادہ پھسل کر آگ میں گریں اور قضا کریں اور حضرت کا یہ حال کہ بڑے صاحبزادہ کے غم والم کو دلداری کے ساتھ دور کرنے کی کوشش فرمائیں کیا سوائے ایسی شخصیت کے جس کا نفس شریف زیور ملکات ثبات صبر و تسلیم و رضا سے مزین ہو کسی دوسرے سے ممکن ہے۔ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

گرچہ تیر از کمال ہمی گزرد
از کماندار بیند اہلِ خرد

واقعہ یہ ہے کہ مصداق یا قول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نحن معاشر الانبیاء اشد الناس بلاءً امثلهم فامثلهم ترجمہ ہم گروہ انبیاء کی ہیں سب سے زیادہ ہیں آزمائش میں جو افضل ہیں ان میں آزمائش میں سب سے بڑھ کر جس کی شان یقفوا اثری ہو اس کی آزمائش بھی ویسی ہی ہونی چاہیئے تھی سوانح مقدسہ سے ظاہر ہے کہ ہر موقع پر ایک آزمائش ہوتی ہے اور اس میں خدا کے فضل سے آپ کامیاب اترتے ہیں اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے لنبلونكم بشيء من الخوف والجوع والانفس ونقص من الاموال والثمرات ثمرات کی تفسیر میں مفسرین کرام نے اولاد کی موت لکھا ہے۔ اس امتحان کی غرض یہ تھی کہ رسول اللہ کے آٹھ سو برس کے بعد صبر و تسلیم کا پھر ایک نمونہ پیش ہو اور دنیا اس کے اسوہ پر عمل کرے۔ بروایت شواہد الولایۃ حضرت پر یہ الہام ہوا کہ سید اجمل رضؓ کو اگر ہم حیات عطا کرتے تو تیرا قائم مقام بنلتے اس سے مقصود امکان تکرار مہدیت

موعودہ نہیں ہے بلکہ اظہار قابلیت ہے چنانچہ روایت کا آخری حصہ یعنی "جائز نہیں ہے کہ تیری ذات کا مقابلہ ہو" سے خود اس خیال کی تردید ہوتی ہے۔ اس قسم کے شرطیہ کا استعمال حدیث شریف میں بھی ہوا ہے۔ حدثنا عبد القدوس ابن محمد حدثنا داود بن شبیب الباہلی حدثنا ابراہیم بن عثمان حدثنا الحکم بن عتیبہ من مقسم عن ابن عباس قال لما مات ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال ان له مرضعا فی الجنة ولو عاش لكان صديقا نبيا ولو عاش لعتقت اخواله القبط وما استرق قبطی (از ابن ماجہ)

(ترجمہ) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو فرمایا اس کے لئے جنت میں ایک دودھ پلانے والی ہے اور اگر زندہ رہتا تو صدیق اور نبی ہوتا اور اگر زندہ رہتا تو اس کے ننھیال قبطی آزاد ہو جاتے اور کوئی قبطی غلام نہ رہتا حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوقت انتقال اٹھارہ مہینے کے تھے۔ (از حاشیہ ابن ماجہ)

حدیث شریف میں حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخوال قبط ہونے کا ذکر ہے۔ کیونکہ ابراہیم رضؓ کی والدہ ماریہ رضی اللہ عنہا قبطی تھیں قبط اہل مصر کی ایک قوم ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ ہاجرہ علیہا السلام بھی اسی قوم سے تھیں قوم قبط اولاد قبط کو کہتے ہیں اور قبط نام ہے نوح علیہ السلام کے ایک پوتے کا مصر میں جو قبطی لوگ فرعون کے تابعین میں سے تھے وہ اسی قبط کی اولاد تھے۔

انجاح شرح ابن ماجہ میں مرقوم ہے کہ اس حدیث کی صحت میں بعض لوگوں نے کلام کیا ہے جس کا ذکر جمال الدین محدث نے روضۃ الاحباب میں فرمایا ہے۔ ابن عبد البر کہتے ہیں میں نہیں سمجھ سکا کہ اس قول کا مطلب کیا ہے کیونکہ نوح علیہ السلام کی اولاد انبیاء نہ تھے۔ شیخ دہلوی فرماتے ہیں اس طرح کہنا بڑی جرأت ہے۔

اگر کلام کرنے والوں کا یہ مطلب ہے کہ یہ حدیث جس کی روایت ابن ماجہ نے کی ہے اگر اس کا مرفوع ہونا اس وجہ سے صحیح نہیں ہے کہ اس کے راوی ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان عبسی قاضی واسط ہیں اور یہ صاحب متروک الحدیث ہیں تو مسلم ہے لیکن مخفی نہ رہے کہ طریق موقوف جس کو امام بخاری نے باب من تسمی باسماء الانبیاء میں سند سے بیان کیا ہے وہ صحیح ہے اس کی صحت میں شک نہیں ہے اور مولف نے بھی اسی طریق سے حدیث محمد بن عبداللہ بن نمیر کے اور وہ روایت سے محمد بن بشیر کے اور وہ روایت سے اسماعیل کے کہا' کہا میں نے عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے الخ

واضح ہو کہ جس حدیث موقوف کا ادراک رائے کی جہت سے نہ ہو اس کو مرفوع کا درجہ حاصل ہوتا ہے چنانچہ اصول حدیث میں بیان کیا گیا ہے اور یہ حدیث بھی ایسی ہی ہے کیونکہ جب معلوم ہو چکا کہ نبی کی اولاد نبی ہونا لازم نہیں ہے تو لازماً نبی صلعم سے سماعت کی جہت سے ماننا پڑے گا کہ اگر محمد صلعم کے بعد نبی ہونے کا فیصلہ ہوتا تو آپ کے فرزند زندہ رہتے کیونکہ رائے اس کی مخالف ہے۔ معنی کے اعتبار سے حدیث میں کلام کرنا مشکل ہے کیونکہ نبی صلعم خاتم النبیین ہیں اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ تعلیق بالمحال مستلزم محال ہوتی ہے نبی صلعم کا خاتم نبوت اس کے منافی نہیں ہے قرآن میں ایسی مثالیں بکثرت موجود ہیں چنانچہ اللہ جل شانہٗ رسول اللہ صلعم کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے ولئن اتبعت اهواهم بعد ما جاءك من العلم ما لك من الله من ولي ولا نصير نیز فرماتا ہے ولولا ان ثبتناك لقد كدت تركن اليهم شيئا قليلا اذا لاذقناك ضعف الحيوة وضعف الممات ثم لا تجد لك علينا نصيرا غرض شرطیہ محالیہ مستلزم وقوع نہیں ہے اور اگر مستلزم وقوع ہو تو کذب متکلم لازم آئے گا تعالی الله عن ذلك علوا كبيرا شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس مسئلہ میں اپنی کتاب مدارج میں حدیث لو بقی ابراہیم لکان نبیا کے تحت بحث فرمائی ہے۔ اس کتاب کو ملاحظہ کیا جائے۔

سخاوت و کبر نفس

مروی ہے کہ آنحضور امامنا علیہ السلام جب مانڈو پہونچے تو آپ کے مواعظ و بیان کے چرچے ہونے لگے اور شہر میں جابجا یہ خبر منتشر ہوئی کہ ولی کامل و اکمل مبین حقیقت و شریعت ان کے جیسا کوئی اور نہیں ہے۔ یہ خبر سلطان غیاث الدین خلجی بن سلطان محمود خلجی بادشاہ مانڈو کو پہونچی بادشاہ عادل دریا دل نیک خصال اور ستودہ افعال تھا اپنے ایک دانشمند معتمد کے ذریعہ بصد منت و عاجزی عرض کروائی کہ آنحضرت کے دیدار اقدام کے لئے بسر و چشم خود حاضر ہوتا لیکن کیا کروں مجبور ہوں میرے لڑکے نصیر الدین نے مجھے نظر بند کر دیا ہے اور مال و زر خاطر خواہ صرف کرنے کی اجازت دے رکھی ہے اگر آنحضرت کے ایک دو خادم قدم سعادت عنایت فرمائیں تو ایک بار چاہتا ہوں کہ ان کی قدمبوسی کی عزت حاصل کروں اور شاہ کی غرض یہ تھی کہ تحقیق احوال کے بعد تصدیق کرے امامنا علیہ السلام نے شاہ کی عاجزی اور مقصد کے نظر کرتے بندگی میاں سید سلام اللہ رضی اللہ عنہ اور میاں ابوبکر رض کو سلطان ولی صفات کی ملاقات کے لئے بھیجوایا جب یہ حضرات ایوان سلطانی کے دروازے پر پہونچے تو ان کی نشست کے لئے ایک تخت اپنے تخت کے روبرو رکھوایا جس پر گراں بہا فرش تھا اور اپنے روبرو پردہ چھوڑ دینے کا حکم دیا کیونکہ ایک وزنی زرین زنجیر شاہ کے پاؤں میں تھی اس بار گراں کی وجہ سے ان بزرگوں کی تعظیم کے لئے اٹھ نہیں سکتا تھا یہ بات شاہ کے صاحب عرفان اور ایمان ہونے کی دلیل تھی کہ خدام آنحضرت علیہ السلام کی ترک تعظیم اسے پسند نہ تھی جب یہ حضرات تخت پر بیٹھ گئے تو پردہ درمیان سے اٹھا دینے کا حکم فرمایا اور سونا، چاندی نچھاور کرنے کا حکم دیا اس طریقہ سے ان بزرگواروں کی قدوم سعادت کا شکریہ بجا لایا اس کے بعد امام آفاق کی ذات انبیاء صفات کے اخلاق حسنہ کی تحقیق ان بزرگوں سے کر کے شرف تصدیق حاصل کیا اور کہا کہ ایسے اخلاق کا صاحب مہدی کے سوائے

کوئی اور نہیں ہو سکتا اور اس کا یقین ہے کہ یہی ذات مہدی موعود ہے اور جب
اس کے ظہور کا وقت آئے گا تو اظہار ہو جائے گا۔ اور آپ حضرات میری تصدیق
کے شاہد رہنا اور کہا بارگاہ ولایت پناہ میں عرض کیجئے کہ میراں سید محمدؐ خدا بخش
ہیں اور غیاث الدین گدا ہے۔ تین چیزوں کی درخواست کرتا ہے اور بفحوائے واما
السائل فلا تنہر امیدوار پذیرائی ہے۔ ایک یہ کہ خاتمہ ایمان پر ہو دوسری یہ
کہ موت بحالیت مظلومیت ہو۔ تیسری یہ کہ قیامت کے دن گروہ مہدی علیہ السلام
میں حشر ہو۔ امامنا علیہ السلام کے صحابہ رضؓ مذکور کے ذریعہ سلطان نے یہ سوال کروائے
یا اس مضمون کی ایک تحریر ان کے ہاتھ دی اس میں راوی کو شک ہے۔
الغرض شاہ نکوئی پناہ نے بہت کچھ فتوح یعنی ہدایا امامنا علیہ السلام کی خدمت
حضرات مذکورہ کے ہمراہ بھجوائے۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس وقت سلطان
قلعہ مانڈو میں تھا اور امامنا علیہ السلام کا جس زمین پر نزول اجلال ہوا تھا وہ قلعہ
سے اتنے فاصلہ پر تھی کہ شاہ قلعہ پر سے معائنہ کر سکتا تھا۔ حکم دیا کہ مال واسباب
کی گاڑیوں کا قلعہ سے فرودگاہ اقدس تک سلسلہ لگا دیا جائے اور درمیان میں جگہ خالی نہ
رہے زر نقد کی مقدار کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ ساٹھ قنطار سونا تھا۔
(از شواہد الولایت) روایت میں اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ اس زمانہ میں
قنطار کا پیمانہ کیا تھا کیونکہ قنطار کا اطلاق چالیس اوقیہ زر یا دو سو دینار
ایک ہزار دو سو اوقیہ یا ستر ہزار دینار یا اسی ہزار درہم یا ایک سو رطل زر
یا سیم یا ایک ہزار دینار یا ایک پوست گاؤ پر از زر کو کہتے ہیں اس سے صرف تحقیق
لغت ہوتی ہے لیکن اس زمانہ کا پیمانہ نہیں معلوم ہوتا قنطار کا پیمانہ کچھ
بھی فرض کیا جائے ہدیہ کا مال بمقدار کثیر آنے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ ہدایائے
مذکورہ کے منجملہ ایک تسبیح مروارید کی بھی تھی جس کی قیمت ایک کروڑ محمودی
تھی۔ صاحب شواہد الولایۃ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں محمودی سکہ تقریباً
ایک مثقال کے برابر ہوتا ہے اور مثقال ۴½ ماشہ کا ہوتا ہے اس حساب

سے تسبیح کی قیمت تقریباً ساڑھے سینتیس لاکھ سکہ زمانہ حال کی تھی۔ مولود میاں
شاہ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ میں ساٹھ قنطار زر ایک تسبیح مروارید معادل
ایک کروڑ محمودی کا ذکر ہے اور آخر میں ایک بدرہ کا بھی ذکر ہے جسے میاں
سید سلام اللہ رضی اللہ عنہ نے اٹھا رکھا تھا جو بالآخر مہدی علیہ السلام کے حضور
میں پیش ہونے کے بعد اسے صحابہ میں تقسیم کر دیا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ساٹھ
قنطار اور تسبیح کے سوائے اور بھی مال بدروں کی صورت میں آیا تھا۔ بعض سوانح
میں (۶۰) توڑے روپیے اشرفی زر و جواہر کے بھرے بھرائے اور ایک تسبیح موتیوں کی
جس کی قیمت ایک کروڑ محمودی تھی حضرت کی خدمت میں گزرانتے کا ذکر ہے لیکن
شواہد الولایۃ اور مولود میاں سید شاہ عبدالرحمٰن رح میں اس کا ذکر نہیں ہے
البتہ ۶۰ قنطار کا ذکر ہے قنطار کو پوست گاؤ پر از زر یا سیم کے معنے سے مختص
بھی کر لیا جائے تو اس سے تفصیلی کا معنیٰ متضاد نہیں ہو سکتا غالباً معانی مذکورہ
پیش نظر رہے ہیں صحابہؓ ہدایائے مذکور کے ساتھ جب امامنا علیہ السلام کے حضور
میں پہونچے اور شاہ کی درخواست جو تین مدعاؤں پر شامل تھی عرض کی تو امامنا علیہ السلام
نے زبان مقبولیت ترجمان سے تین بار ارشاد فرمایا ہر سہ داد' ہر سہ داد' یعنی
اللہ تعالیٰ نے ہر سہ مدعا کو شرف مقبولیت عطا فرمایا۔
شہر کی بہت سی مخلوق ہدایا کے ساتھ ساتھ ہو گئی تھی امامنا علیہ السلام
نے وہ تمام مال اور قنطار ان لوگوں کو عنایت فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ ان
چیزوں کے طالب یہی لوگ ہیں اور آخر میں ایک دف نواز آیا۔ اسے موتیوں کی
مذکورہ تسبیح اپنے دست مبارک سے گز سے اٹھا کر دیدی۔ اس وقت میاں
سید سلام اللہ رضؓ نے عرض کیا میراں جی یہ تسبیح لاقیمت (بڑی قیمتی تھی) ارشاد
فرمایا سلام اللہ۔ اللہ تعالیٰ متاع الدنیا قلیل فرماتا ہے
اور تم اسے لاقیمت (بڑی قیمتی) کہتے ہو۔
جب امامنا علیہ السلام تمام مال و زر تقسیم فرما چکے تو میاں سید سلام اللہ رضؓ

نے جو ایک بدرہ اٹھا رکھا تھا عرض کیا میراں جی تھوڑی سی چیز رہ گئی ہے اور حضور میں پیش کیا ارشاد فرمایا۔ اگر یہ نہ رکھتے تو اچھا ہوتا جب بدرہ کھول کر دیکھا گیا تو نقرہ کا تھا اسی وقت امامنا علیہ السلام نے ٹھیک ٹھیک صحابہ میں سویت یعنی تقسیم کر دینے کا حکم دیا اور حسب الحکم وہ بدرہ تقسیم کر دیا گیا سویت لے کر بجز چند اصحاب اور میاں سید سلام اللہ رضی اللہ عنہ کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم خرید و فروخت کے لئے باہر گئے ہوئے تھے جب امامنا علیہ السلام نماز عصر کے لئے حجرہ سے باہر رونق افروز ہوئے تو ارشاد فرمایا سید سلام اللہ برادر کہاں رہیں یہ تھوڑی چیز جو ان میں تقسیم ہوئی اس نے ان کو عبادت حق جماعت اور بندہ کی صحبت سے باز رکھا اگر وہ تمام مال رہتا تو کس قدر طغیان اور بغاوت پیدا ہوتی (از مولود میاں شاہ عبدالرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ)

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ امامنا مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میاں سید سلام اللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ بدرہ نہ رکھتے تو اچھا تھا اور اسی وقت تقسیم کر دینے کا حکم دیا اس عمل سے سنت نبوی کا احیاء فرمایا۔ چنانچہ حدیث شریف ہے حدثنا قتیبۃ نا جعفر بن سلیمان عن ثابت عن انس قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یدخر شیئا لغد (حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ دن کے لئے کوئی چیز ذخیرہ نہ فرماتے تھے) حضرت امامنا مہدی علیہ السلام نے بھی اسی واسطے ارشاد فرمایا بدرہ فوراً تقسیم کر دیا جائے کیونکہ آپ کی شان یقفوا اثری تھی باتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے کبھی مال کو ذخیرہ نہ فرمایا۔ ابو عیسٰی ترمذی رح نے حدیث مذکور کو غریب لکھا ہے اور اس کے بعد یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ وقد روی ہذا غیر جعفر بن سلیمان عن ثابت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرسلاً یعنی اس حدیث کو جعفر بن سلیمان کے غیر نے بھی ثابت سے اور وہ نبی ص سے بطور مرسل روایت کی ہے اس سے ثابت ہے کہ حدیث مذکور کی تائید میں ایک مرسل حدیث بھی ہے جس سے اس کی غرابت میں کمی ہو جاتی ہے نہ صرف اتنا ہی بلکہ یہ بھی ثابت ہے کہ جناب

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ کبریا میں دعا فرماتے تھے کہ آپ کے گھر والوں کو سد رمق سے زیادہ قوت نہ ملے چنانچہ حدیث ذیل سے ثابت ہے۔ حدثنا ابو عمار نا وکیع عن الاعمش عن عمارۃ بن القعقاع عن ابی زرعۃ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہم اجعل رزق آل محمد قوتا ہذا حدیث حسن صحیح (از ترمذی ابواب الزہد) ترجمہ ابو ہریرہ رض سے مروی ہے کہ کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے اللہ محمد ص کے گھر والوں کا رزق بقدر سد رمق بنا ابو عیسٰی رح ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور صحیح فرمایا ہے۔

ظاہر ہے کہ آپ جب صرف رزق سد رمق کے لئے دعا فرماتے تھے تو مال ذخیرہ کر کے کیوں رکھتے یہی عمل صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا کیونکہ وہ مال کو ذخیرہ کر کے رکھنے والوں میں نہ تھے مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہ کے درمیان بھوک سے بیہوش ہو کر گرے ہوئے ہوتے آنے والے آتے اور ان کی گردن پر اپنا پاؤں رکھتے اور سمجھتے کہ ان کو جنون ہو گیا ہے حالانکہ جنون نہ ہوتا بلکہ بھوک سے ان کی یہ حالت ہو جاتی تھی (از ترمذی شریف ابواب الزہد)

فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے تو بھوک اور ضعف کی وجہ سے لوگ کھڑے کھڑے گر جاتے تھے اور یہ گرنے والے اصحاب صفہ میں سے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر اعراب یہ کہنے لگے تھے کہ یہ لوگ دیوانے ہیں اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکتے تو ان کی طرف متوجہ ہوتے اور یہ ارشاد فرماتے (اے فاقہ سے نماز میں گرنے والو) اگر تم کو معلوم ہوتا کہ (ان فاقوں کی وجہ سے) تمہارا اللہ کے نزدیک کیا مرتبہ ہے تو یقیناً تم فقر و فاقہ کی اور زیادتی کو محبوب رکھتے فضالہ کہتے ہیں کہ میں اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ ابو عیسٰی ترمذی رحمہ اللہ نے اس

حدیث کو حسن اور صحیح لکھا ہے۔ (از ترمذی شریف الزہد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل اہل دنیا کے ذخیرہ تو کیا رکھتے نعیم دنیا کے متعلق لوگوں کو یہاں تک سنا دیا کہ ٹھنڈے سایہ عمدہ کھجور اور ٹھنڈے پانی کی بھی قیامت کے دن پرسش ہوگی۔

چنانچہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسی ساعت میں باہر رونق افروز ہوئے کہ اس ساعت میں آپ کے نکلنے کی عادت نہ تھی اور اس ساعت میں آپ سے ملنے کے لئے کوئی آتا بھی نہ تھا اتنے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے دریافت فرمایا اے ابوبکر کیوں آئے تو کہا میں رسول اللہ سے ملنے اور چہرہ مبارک دیکھنے اور سلام کی غرض سے حاضر ہوا۔ ابوبکر رضؓ آکر ابھی تھوڑی دیر نہ ہوئی تھی کہ عمر رضی اللہ عنہ آئے تو آپؐ نے فرمایا عمر کیوں آئے تو کہا الجوع یا رسول اللہ یعنی بھوک سے بے تاب ہوکر (حضرت عمر فاروق کا صبر اور استقلال مشہور ہے نہ معلوم آپ کب کے بھوکے تھے) یہ سن کر آنحضورؐ نے فرمایا وانا قد وجدت بعض ذلک یعنے مجھے بھی کچھ بھوک ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سب مل کر ابوالہیثم انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر گئے۔ ان کے پاس بہ کثرت بکریاں اور کھجور کے درخت تھے ان کے نوکر چاکر کوئی نہ تھا۔ جب ان کے گھر پہونچے تو انھیں نہ پایا ان کی بیوی سے دریافت کیا آپ کے میاں کہاں ہیں انہوں نے کہا ہمارے لئے میٹھا پانی لانے گئے ہیں۔ تھوڑی دیر نہ ہوئی تھی کہ ابوالہیثم مشک اٹھائے ہوئے آئے اور اسے نیچے رکھدیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بغلگیر ہونے لگے اور بابی انت وامی کہنے لگے یعنے یہ کہنے لگے کہ میرے ماں باپ آپؐ سے قربان ہوں پھر وہ انھیں اپنے باغ لے گئے اور بیٹھنے کے لئے کچھ بچھا دیا۔ پھر ایک کھجور کے درخت کے پاس جاکر خرما کی ایک شاخ لائے اور اسے سامنے رکھدیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم ہمارے لئے خرما اس سے نہ نکالوگے تو کہا یا رسول اللہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ ہی اس میں

سے جو پسند ہوں چن لیجئے پھر سب نے کھایا اور وہ پانی پیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ وہ نعمت ہے جس کی بابت تم قیامت کے دن پوچھے جاؤگے یعنے ٹھنڈا سایہ عمدہ کھجور ٹھنڈا پانی اس کے بعد ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کھانا تیار کرنے کے لئے جانے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دودھ دیتی بکری ذبح نہ کرنا ابوالہیثم رضؓ نے نیز خالم تر یا مادہ ذبح کیا اور پیش کیا اور سب مل کر کھائے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کیا تمہارا کوئی خادم ہے تو انہوں نے کہا نہیں فرمایا جب ہمارے پاس بردے آئیں تو تم آنا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش ہوئے ان کے ساتھ کوئی تیسرا نہ تھا اس وقت ابوالہیثم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں سے ایک کا انتخاب کرے تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ ہی انتخاب فرمادیجئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس سے مشوری طلب کیا جائے وہ امین ہوتا ہے پھر آپ نے کہا یہ لے لے کیونکہ میں نے اسے نماز پڑھتے دیکھا ہے اس کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ پس ابوالہیثم رضؓ چلے گئے اور اپنی بیوی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا ذکر کیا تو ان کی بیوی نے کہا تم نے رسول اللہ کے قول میں غور کامل نہیں کیا حضور کا منشاء یہ ہے کہ تم اسے آزاد کردو یہ سنتے ہی انہوں نے کہا کہ وہ آزاد ہے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے کسی نبی یا خلیفہ کو نہیں بھیجا مگر اس کے دو قسم کے جلیس ہوتے ہیں ایک وہ جو امر بالمعروف کرتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں دوسرے وہ جو اس کے ساتھ فساد کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے اور جو برے جلیس سے محفوظ رہا تو بچ گیا ابوعیسٰی ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح اور غریب ہے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ پر سے کپڑا اٹھا کر اپنے پیٹ پر باندھا ہوا ایک ایک پتھر دکھایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شکم مبارک پر باندھے ہوئے دو پتھر دکھائے (از ترمذی ابواب الزہد جلد ثانی صفحہ ۶۳)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پے در پے دو دن کی جو کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی۔ حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوان پر نہ کھایا (جیسا کہ مالداروں کی عادت ہے) اور نہ مقبوض ہونے تک آپ نے پتلی روٹی کھائی۔

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدہ کی روٹی کھائی تو سہل نے کہا کھانا تو کجا کبھی آپ نے میدہ دیکھا بھی نہیں حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا۔

ان احادیث سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر ظاہر ہے لیکن آپ کا فقر اختیاری تھا حدیث[1] ترمذی ما شبع من خبز لحم مرتین فی یوم پر ایک حاشیہ ہے جس کی عبارت سے مذکورہ بالا کی توضیح ہوتی ہے وہ یہ ہے۔

"یہ بات آپ کے فقر اور ترک دنیا و ترک لذات دنیا کے اختیار کرنے اور تھوڑی سی قوت پر قناعت کرنے اور فقیروں اور مسکینوں پر ایثار کرنے کے وجہ سے تھی باوجود اس کے کہ آپ کو مال کی احتیاج ہوتی تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور کھلاتے ہیں وہ کھانا باوجود اس کی محبت کے مسکین یتیم اور اسیر کو۔"

حدیث کان لا یدخر شیاء لغد جو اس سے پہلے مذکور ہوئی پر امام بیہقی نے شعب میں لکھا ہے کہ امام ابو سہل محمد بن سلیمان نے اس حدیث کا املا کراتے ہوئے کہا کہ اگر کوئی یہ کہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس بھی تھا اور فرش بھی اور آپ اپنی بھوک کے وقت کچھ کھانے کا انتظام بھی فرماتے تھے آپ کے پاس زرہ تلوار کمان گھوڑا خچر اور گدھا تھا اور افشرہ بنایا جاتا تھا اور آپ

---

[1] ایک دن روٹی اور گوشت دو دفعہ سیر ہو کر نہیں کھائے۔

اسے صبح کو پیتے تھے اور صبح کو بنایا جاتا تھا اور آپ اسے دن ڈھلے (شام کو) پیتے تھے اور اپنی ازواج کو آپ ایک سال کا قوت مال غنیمت سے دیتے تھے یہ سب ذخیرہ نہیں تو کیا ہے پھر اس خبر ماثور پر سے کس طرح تسلیم کر لیا جائے کہ آپ آیندہ کل کے لئے ذخیرہ نہیں رکھتے تھے۔

استاد ابو سہل کہتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ روایت صحیح ہے اور بلحاظ روایت بھی درست ہے اور روایات میں منافات بھی نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا معاملہ اپنے مولا کے ساتھ حسن ظن پر مبنی تھا نہ کہ حبس و ادخار پر (یعنے آپ کو اپنے اللہ سے حسن ظن تھا اس کی رزاقی کے بھروسہ آپ ذخیرہ جمع کرنے سے کام نہیں لیتے تھے) اپنی ذات کے لئے گزشتہ دن کی قوت روک نہیں رکھتے تھے رہے آپ کے کپڑے ان کا رکھنا دین کی خاطر تھا ان کے رکھنے کا مقصود آیندہ کل کے لئے ذخیرہ کرنا نہ تھا اسی طرح آلات حرب نصرت اولیائے دین کے لئے رکھتے تھے جن کو آپ نے حین حیات خیرات کر دیا اور فرمایا انا لا نورث وما ترکناہ صدقہ اور آپ کے لئے جو افشرہ بنایا جاتا تھا وہ آپ کی ازواج رض کی طرف سے ہوتا تھا اس پیسہ سے وہ تیار کرتی تھیں جس کے آپ ان کو اپنی طرف سے مالک بنا دیتے تھے اور یہ بالکل صحیح ہے کہ آپ دوسرے دن کے لئے کوئی چیز بطور ذخیرہ کے نہیں رکھتے تھے بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ دوسرے دن کے لئے آپ کوئی چیز اپنی ملک میں نہیں رکھتے تھے بلکہ دوسرے کو اس کا مالک بنا دیتے تھے۔ (ترمذی شریف جلد ثانی ابواب الزہد ص ۶۲)

الغرض رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق دنیا و امور دنیا سے کس قدر تھا حدیث ذیل سے واضح ہوتا ہے۔

(ترجمہ) عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر سوئے اور بیداری کے بعد کھڑے ہو گئے درحالیکہ چٹائی کے نشانات آپ کے پہلوئے مبارک پر نمایاں تھے ہم نے کہا یا رسول اللہ اگر ہم آپ کے لئے بچھونا تیار کرا دیں تو کیا حرج ہے تو آپ نے فرمایا مجھے دنیا سے کیا تعلق ہے میں دنیا میں صرف

ایک سوار کے مانند ہوں جو درخت کے نیچے سایہ لیا پھر چلتا بنا اور
اسے چھوڑ دیا۔ (از ترمذی جلد دوم صفحہ ۶۴)

ظاہر ہے کہ سوار درخت کے نیچے سایہ کی خاطر آتا ہے تو اس کی غرض نہ زیادہ دیر تک ٹھہرنے کی ہوتی ہے اور وہ اس کے سایہ کی وجہ سے اپنی منزل مقصود کے خیال کو ترک کرتا ہے بلکہ اس کے ٹھہرنے کا مقصد محض ذرا سا سکون حاصل کرنا ہوتا ہے۔ محشی ترمذی طیبی فرماتے ہیں کہ وجہ تشبیہ سرعتہ رحیل اور قلت مکث ہے میری ناقص رائے میں وجہ تشبیہ قلت استفادہ ہے کیونکہ راکب درخت کے نیچے کم ٹھہرتا ہے تو سایہ سے فائدہ بھی بہت کم اٹھاتا ہے پس اسی طرح جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اسلئے دنیاوی سے بہت کم تعلق رکھتے تھے۔ وجہ شبہ قلت مکث اور سرعت رحیل قرار دیا جائے گا تو معنی یہ ہوگا کہ میں دنیا سے جلد جانے والا ہوں اور اس سے کوئی معنی مفید زہد وتقویٰ برآمد نہیں ہوتا سنن ابن ماجہ میں بھی مثل الدنیا کے تحت یہی مذکور ہے کہ

(ترجمہ) عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر لیٹے چٹائی نے آپ کی جلد مبارک میں نشان ڈال دیا میں نے کہا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر سے قربان ہوں اگر آپ ہمیں اجازت دیتے تو ہم چٹائی پر آپ کے لئے فرش کر دیتے کہ آپ کو اس سے بچاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور دنیا کیا ہیں میں اور دنیا ایسے ہی ہیں جیسا کہ سوار جھاڑ کے نیچے سایہ لیا پھر چلتا بنا اور اسے چھوڑ دیا۔ (سنن، ابن ماجہ)

معیشۃ آل النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان کے تحت یہ حدیث مذکور ہے

(ترجمہ) حدیث بیان کیا ہم نے ابوبکر بن ابو شیبہ نے اس نے کہا حدیث بیان کیا ہم سے وکیع نے روایت سے ابو نعامہ کے سنا اسے خالد بن عمیر سے کہا خطبہ دیا ہم کو عتبہ بن غزوان نے منبر پر اور کہا دیکھا میں نے اپنے آپ کو کہ میں ساتواں شخص ہوں سات میں کا ساتھ رسول اللہ کے نہیں ہے

ہمارے لئے کھانا کہ ہم کھائیں سوائے درختوں کے پتوں کے حتیٰ کہ (پتے چابنے سے) ہماری باچھیں زخمی ہو گئیں۔ امامنا مہدی علیہ السلام اور آپ کے اصحاب رضوان اللہ عنہم پر بھی سفر خراساں میں ایسے دن گزرے ہیں کہ آپ کے اصحاب کو صرف ان درختوں کے پتے کھانے کی اجازت تھی جو سامنے آجاتے تھے۔ (ملاحظہ ہو سوانح مہدی علیہ السلام حالات سفر خراسان) احادیث شریفہ مذکورہ بالا کے سوائے اور بھی بہت احادیث میں جو اسی قبیل کی ہیں ان سے ظاہر ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اسلوب انبیاء پر تھی اور آپ دنیا کا مال و زر بطور ذخیرہ جمع کر کے رکھتے نہ تھے اور جماعت اصحاب صفہ کی اور جماعت اصحاب رضی اللہ عنہم کی ایسی بھی تھی جس نے فقر توکل قناعت اور سخاوت کا آنحضور کی سیرت سے بہرہ وافی حاصل کیا تھا۔

مروی ہے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے گھر تشریف لائے اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو بیمار دیکھا علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما سے آپ نے کہا نذر کرو تا کہ تمہارے فرزند صحت پائیں انہوں نے نذر کیا کہ تین روزے رکھیں گے۔ حق سبحانہ نے سبطین کو شفا عطا فرمائی اور حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہ نے نذر کے روزے رکھے تھوڑے سے جو قرض یا مزدوری کر کے لائے اور آٹا پیس کر روٹیاں پکائیں اور نماز شام کے وقت چاہا کہ افطار کریں ایک مسکین گھر کے دروازہ پر آیا اور آواز دی اے اہل بیت نبوت میں مسلمان مسکین ہوں مجھے کھانا دیجیے تا کہ اللہ تعالیٰ بہشت کے مائدوں میں سے آپ کو اس کا عوض دیوے۔ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے اپنا حصہ مسکین کو دیدیا اور تمام اہل بیت نے موافقت کی اور فقط پانی سے روزہ کھول کر رات گزاری دوسرے دن نذر کا روزہ رکھ لیا افطار کے وقت ایک یتیم گھر کے دروازہ پر آیا اور سوال کیا اس وقت بھی جتنا کھانا تھا۔ ایثار فرما دیا اور فقط پانی سے روزہ کھول کر رات گزاری تیسرے دن روزہ رکھ لیا شام کے وقت جب افطار کرنا چاہے تو ایک اسیر بوقت

ایک سوار کے مانند ہوں جو درخت کے نیچے سایہ لیا پھر چلتا بنا اور
اسے چھوڑ دیا۔ (از ترمذی جلد دوم صفحہ ۶۴)

ظاہر ہے کہ سوار درخت کے نیچے سایہ کی خاطر آتا ہے تو اس کی غرض نہ زیادہ دیر تک ٹھہرنے کی ہوتی ہے اور نہ وہ اس کے سایہ کی وجہ سے اپنی منزل مقصود کے خیال کو ترک کرتا ہے بلکہ اس کے ٹھہرنے کا مقصد محض ذرا سا سکون حاصل کرنا ہوتا ہے۔ محشی ترمذی طیبی فرماتے ہیں کہ وجہ تشبیہ سرعت رحیل اور قلت مکث ہے میری ناقص رائے میں وجہ تشبیہ قلت استفادہ ہے کیونکہ راکب درخت کے نیچے کم ٹھہرتا ہے تو سایہ سے فائدہ بھی بہت کم اٹھاتا ہے پس اسی طرح جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اشیائے دنیاوی سے بہت کم تعلق رکھتے تھے۔ وجہ شبہ قلت مکث اور سرعت رحیل قرار دیا جائے گا تو معنی یہ ہوگا کہ میں دنیا سے جلد جانے والا ہوں اور اس سے کوئی معنی مفید زہد وتقوی برآمد نہیں ہوتا سنن ابن ماجہ میں بھی مثل الدنیا کے تحت یہی مذکور ہے کہ

(ترجمہ) عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر لیٹے چٹائی نے آپ کی جلد مبارک میں نشان ڈال دیا میں نے کہا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر سے قربان ہوں اگر آپ ہمیں اجازت دیتے تو ہم چٹائی پر آپ کے لئے فرش کر دیتے کہ آپ کو اس سے بچاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور دنیا کیا ہیں میں اور دنیا ایسے ہی ہیں جیسا کہ سوار جھاڑ کے نیچے سایہ لیا پھر چلتا بنا اور اسے چھوڑ دیا۔ (سنن، ابن ماجہ)

معیشۃ آل النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان کے تحت یہ حدیث مذکور ہے

(ترجمہ) حدیث بیان کیا ہم نے ابوبکر بن ابو شیبہ نے اس نے کہا حدیث بیان کیا ہم سے وکیع نے روایت سے ابو النعامہ کے سنا اسے خالد بن عمیر سے کہا خطبہ دیا ہم کو عتبہ بن غزوان نے منبر پر اور کہا دیکھا میں نے اپنے آپ کو کہ میں ساتواں شخص ہوں سات میں کا ساتھ رسول اللہ کے نہیں ہے

ہمارے لئے کھانا کہ ہم کھائیں سوائے درختوں کے پتوں کے حتی کہ (پتے چابنے سے) ہماری باچھیں زخمی ہو گئیں۔ امامنا مہدی علیہ السلام اور آپ کے اصحاب رضوان اللہ عنہم پر بھی سفر خراساں میں ایسے دن گزرے ہیں کہ آپ کے اصحاب کو صرف ان درختوں کے پتے کھانے کی اجازت تھی جو سامنے آجاتے تھے۔ (ملاحظہ ہو سوانح مہدی علیہ السلام حالات سفر خراساں) احادیث شریفہ مذکورہ بالا کے سوائے اور بھی بہت احادیث میں جو اسی قبیل کی ہیں ان سے ظاہر ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اسلوب انبیاء پر تھی اور آپ دنیا کا مال وزر بطور ذخیرہ جمع کر کے رکھتے نہ تھے اور جماعت اصحاب صفہ کی اور جماعت اصحاب رضی اللہ عنہم کی ایسی بھی تھی جس نے فقر توکل قناعت اور سخاوت کا آنحضور کی سیرت سے بہرہ وافی حاصل کیا تھا۔

مروی ہے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے گھر تشریف لائے اور حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو بیمار دیکھا علی وفاطمہ رضی اللہ عنہما سے آپ نے کہا نذر کرو تاکہ تمہارے فرزند صحت پائیں انہوں نے نذر کیا کہ تین روزے رکھیں گے۔ حق سبحانہ نے سبطین کو شفا عطا فرمائی اور حضرت علی وفاطمہ رضی اللہ عنہ نے نذر کے روزے رکھے تھوڑے سے جو قرض یا مزدوری کر کے لائے اور آٹا پیس کر روٹیاں پکائیں اور نماز شام کے وقت چاہا کہ افطار کریں ایک مسکین گھر کے دروازہ پر آیا اور آواز دی اے اہل بیت نبوت میں مسلمان مسکین ہوں مجھے کھانا دیجئے تاکہ اللہ تعالیٰ بہشت کے مائدوں میں سے آپ کو اس کا عوض دیوے۔ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے اپنا حصہ مسکین کو دیدیا اور تمام اہل بیت نے موافقت کی اور فقط پانی سے روزہ کھول کر رات گزاری دوسرے دن نذر کا روزہ رکھ لیا افطار کے وقت ایک یتیم گھر کے دروازہ پر آیا اور سوال کیا اس وقت بھی جتنا کھانا تھا۔ ایثار فرما دیا اور فقط پانی سے روزہ کھول کر رات گزاری تیسرے دن روزہ رکھ لیا شام کے وقت جب افطار کرنا چاہے تو ایک اسیر بوقت

افطار ہوچکا اور جس قدر کھانا تھا اس کو دیدیا حق سبحانہٗ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ یوفون بالنذر ویخافون یوما کان شرہ مستطیرا ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا وفا کرتے ہیں نذر کو اور ڈرتے ہیں دن سے ہے جس کا شر پھیلا ہوا آشکارا اور کھلاتے ہیں جو کھانا باوجود اس کی احتیاج کے مسکین اور یتیم اور اسیر کو واضح ہو کہ جمہور مفسرین کو اس شانِ نزول پر اتفاق ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ یہ تھی کہ باوجود اپنے احتیاج کے سائل کے سوال کو رد نہیں فرماتے تھے سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بردہ لے کر آئی۔ کہا بردہ کیا چیز کہا شملہ اس عورت نے کہا یا رسول اللہ میں نے اسے اپنے ہاتھ سے بنا ہے تاکہ آپ کو پہناؤں اس وقت جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی ضرورت بھی تھی آپ نے لیا اور پھر پہن کر باہر رونق افروز ہوئے آپ نے اس کو اپنا تہ بند بنالیا تھا راوی کہتے ہیں پھر فلاں بن فلاں آیا جس کو آپ نے اس روز نام سے پکارا تھا اور کہا یا رسول اللہ یہ بردہ کیا ہی اچھی چیز ہے آپ مجھے پہنا دیجئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھا کہا اور اندر تشریف لے گئے اور اس کو تہ کرکے ان کے پاس بھجوا دیا لوگ جو وہاں تھے انہوں نے سائل سے کہا واللہ تم نے اچھا نہیں کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایسی حالت میں پہنا تھا کہ آپ کو اس کی احتیاج تھی اور تم نے اسے مانگ لیا اور تم جانتے ہو کہ آنحضور سائل کو رد نہیں کرتے ہیں تو سائل نے کہا خدا کی قسم میں نے پہننے کے لئے نہیں مانگا ہے لیکن اس لئے مانگا ہے کہ وہ میرا کفن بنے سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جس دن انہوں نے انتقال کیا تو ان کا کفن یہی چادر تھی انجاح شرح ابن ماجہ میں مرقوم ہے کہ اس حدیث میں فلاں بن فلاں سے مراد عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں۔

(از ابن ماجہ صفحہ (۲۶۳) الباب اللباس اور جب انتقال فرمایا تو اسی شملہ میں

کفنائے گئے۔

منتہی الارب میں شملہ کا معنی چادر خرد کہ بدان خود پیچند لکھا ہے۔ حضرت موسیٰ بن انس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام پر جو مانگا گیا آپ نے دیدیا انہوں نے کہا آنحضور کے پاس ایک آدمی آیا آپ نے اسے اتنی بکریاں دیں جو دو پہاڑوں کے درمیان ہوتی ہیں جب وہ اپنی قوم میں واپس ہوا تو کہا اے قوم تم مسلمان ہو جاؤ محمدؐ ایسے دینے والے ہیں کہ انہیں محتاجی کا خوف نہیں ہوتا ہے (از مسلم شریف باب سخا رسول اللہ) اسی حدیث کی شرح میں امام نووی شارح مسلم لکھتے ہیں کہ دو پہاڑوں کے درمیانی حصہ ان سے بھر جاتا تھا۔ سلطان غیاث الدین حکیم رحمۃ اللہ علیہ کے ہدایا کے ساتھ غریبوں کا آنا اور امام مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ان کو رد نہ کرنا یہ آپ کی اس ملکہ سخاوت کا نتیجہ تھا جو آپ کو خلیفۃ اللہ ابن رسول اللہ ہونے کی حیثیت سے میراث میں ملا تھا۔

ساٹھ قنطار سونا اور ایک کروڑ محمودی کی تسبیح اور دیگر اموال واسباب کا ایک ہی وقت میں غربا اور مساکین میں تقسیم فرما دینا آپ کے اس ملکہ شریفہ کے وجہ سے تھا جس کو علم اخلاق میں کبر نفس سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس خلق کا صاحب فقر و غنی سے متاثر نہیں ہوتا ہے بالفاظ دیگر اس کو فقر کا خوف نہیں ہوتا ہے۔ ایک کروڑ محمودی کی تسبیح اس میں شک نہیں کہ دنیا کو کثیر سمجھنے والوں کے پاس کثیر ہے۔ لیکن اسلام ساری متاع دنیا کو قلیل سمجھتا ہے اور جس کا ایمان قولہ تعالیٰ متاع الدنیا قلیل پر ہے وہ دنیا کو ایک پر پشہ کے برابر بھی نہیں سمجھتا ہے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا ہم مقام ذوالحلیفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک مری ہوئی بکری اپنا پاؤں اٹھائے ہوئے پڑی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ اپنے مالک کے پاس ذلیل ہے پس قسم اس کی جس کے قبضہ میں میری

حتیٰ کہ یہ بکری
جان ہے البتہ دنیا اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے اللہ کے پاس
اپنے مالک کے پاس ہے اور اگر دنیا اللہ کے پاس مچھر کے ایک پر کے برابر بھی وزن
رکھتی تو کافر کو کبھی اس سے ایک قطرہ بھی نہ پلاتا (از ابن ماجہ باب مثل الدنیا
صفحہ ۳۱۲)

اور امامنا علیہ السلام کا میاں سید سلام اللہ کے رکھے ہوئے بدرہ کو اس
وقت تقسیم فرما دینا سنت نبوی کے اتباع پر مبنی تھا کہ آپ آئندہ کل کے لئے
ذخیرہ نہیں رکھتے تھے۔ سخاوت کی تعریف یہی ہے کہ مستحق کو بقدر استحقاق دے
اور اسراف نہ کرے اور یہ بات دینے والے کی صوابدید پر موقوف ہے جیسا کہ
رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو اتنی بکریاں دیں کہ اُن سے دو
پہاڑوں کے درمیان کا حصہ بھر جاتا تھا اس طرح امامنا علیہ السلام کا مانڈو کے
غریبوں کو مذکورہ مال وزر کا تقسیم کر دینا آپ کی صوابدید سے تھا اور دف نواز
کو تسبیح کا دیدینا متاع دنیا کو قلیل سمجھنے کا عملی ثبوت تھا۔

آپ نے سارا مال اپنے اصحاب کو نہیں دیا کیونکہ ہر چیز کو اس کے مقام
میں رکھنے کا نام عدل ہے آپ کے اصحاب طالب مولیٰ تھے طالب دنیا نہ تھے
دنیا کی چیز ان کے سامنے پیش کرنا خلاف عدل تھا اور جس غرض کے لئے وہ آپ
کی خدمت میں تھے اس کا منشاء فوت ہو جاتا تھا۔ چنانچہ مالقی بدرہ کی سویت
کے لعد جب اصحاب خرید و فروخت کے لئے دائرہ سے باہر گئے ہوئے تھے تو امامنا
علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تھوڑی سی چیز جو ان میں تقسیم ہوئی اس نے عبادت
حق جماعت اور بندہ کی صحبت ——— سے باز رکھا۔ الخ

اس سے ظاہر ہے کہ آپ طالبان حق کی ذرا بھی توجہ متاع دنیا کی طرف
ہونا پسند نہیں فرماتے تھے۔ انبیاء علیہ السلام کی بعثت کا مقصد بھی یہی تھا کہ مخلوق
کو دنیا سے اعراض اور مولیٰ کی طرف رغبت کی تعلیم دیں۔ امامنا مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ
والسلام کی خدمت میں پیش کش ہدایا بصورت قنطار و تسبیح قیمتی ایک کروڑ محمودی

کے متعلق یہ خیال نہ کیا جائے کہ

ایک کروڑ محمودی کی تسبیح کسی نے نذر کی ہوتی تو اس عجیب و غریب خبر کو
مورخین ضرور لکھتے اور اس قدر نقد و رسلاطین مانڈو و حکام مالوہ کو کہاں سے
میسر ہوا کہ ایسی بیش بہا چیز نایاب پیدا کریں۔

کیونکہ مورخین کا یہ فریضہ نہیں ہے کہ کسی کی ہر داد و دہش کی گنتی اور شمار
رکھیں۔ البتہ مورخین کا کام یہ ہے کہ اگر کسی کی زیادہ داد و دہش کی خبریں سنتے
ہیں تو اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ فلاں بڑا سخی اور فیاض تھا۔ غیاث الدین خلجی
کے متعلق تمام مورخین بالاتفاق لکھتے ہیں کہ دریا دل فیاض اور سخی تھا۔ چنانچہ
مورخین نے لکھا ہے کہ غیاث الدین خلجی جس بستر پر شب میں استراحت فرماتے
تھے اس کے نیچے ہر شب ہزار ہا روپیہ رکھے جاتے تھے اور صبح کو غربا و مساکین
کو دیدیئے جاتے تھے۔ جس بادشاہ کا روزانہ یہ عمل ہو اس کی دولت کا اندازہ
صرف اسی سے کیا جا سکتا ہے مالوہ کی ریاست ایک قدیم ریاست ہے۔
قدیم ہندوؤں کے زمانہ میں اونتی کی ریاست اور بعد میں راجہ بھوج و ہرش کی
بھی بارونق ریاستیں اس میں تھیں۔ بھوج کا مشہور صدر مقام دھار اور ہرش
کا اجین اسی میں واقع تھا۔ مالوہ پر ایک مختصر مضمون میرے فاضل دوست
مولوی محمد یوسف صاحب بی۔ اے بی ٹی مددگار تاریخ مدرسہ دارالعلوم نے میری استدعا
پر آج سے بہت پہلے تحریر فرمایا ہے جس سے سلاطین مانڈو کی دولت و ثروت اور سلطنت
مالوہ کی قدامت اور سلطان غیاث الدین خلجی کی دریا دلی فیاضی اور دینداری کا ثبوت
ملتا ہے میں مولوی صاحب موصوف کی اس فاضلانہ عنایت کا تہ دل سے شکریہ ادا
کرتا ہوں۔ رسالہ ہذا کے قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے بعینہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

مالوہ وسط ہند کا یہ سرسبز قطعہ مرتفعہ موجودہ والیٔ دہار کا علاقہ ہے۔ جس کے
شمال میں دریائے چمبل جنوب میں دریائے نربدا، مغرب میں گجرات
اور مشرق میں بندیل کھنڈ واقع ہے۔

قدیم ہندوؤں کے زمانہ میں اونتی کی ریاست اور بعد میں راجہ بھوج وہرش کی بارونق ریاستیں بھی اسی میں تھیں ۔بھوج کا مشہور صدر مقام دہار اور ہرش کا اجین بھی اسی میں واقع تھا ۔ اس زمانہ میں یہ علاقہ دولت وثروت اور علم وفضل میں ہندوستان کا مرکز سمجھا جاتا تھا ۔راجگان مالوہ چاروں جانب اپنی فتح مند فوج لئے پھرتے تھے ۔

مسلمانوں کا پہلا حملہ تیرھویں صدی میں ہوا جو محمد غوری کے ایک سردار التمش نے کیا تھا قاتحانہ قبضہ سنہ ۱۳۱۰ ہجری میں علاؤالدین خلجی کے ایک سردار کے ذریعہ ہوا اور اس وقت سے مالوہ دہلی کا ایک صوبہ بنا رہا اور بالالتزام دہلی سے عامل روانہ کئے جاتے رہے ۔ تیمور کے حملہ کے بعد جب دہلی کی حکومت کا شیرازہ بکھر گیا اور ملک میں طوائف الملوکی کا دور دورہ شروع ہوا تو سنہ ۱۴۰۱ء میں غوری خاندان کا ایک سردار دلاور خاں جو یہاں کا صوبہ دار تھا خود مختار بن بیٹھا اور محمد غوری کے لقب سے حکومت کرنے لگا اس کا صدر مقام دہار تھا اس کے بعد اس کا بیٹا سریر حکومت پر متمکن ہوا ۔ اور حسام الدین والدنیا ہوشنگ شاہ کا لقب اختیار کیا تخت نشینی کے چند روز کے بعد پرانے پایہ تخت دھار کو خیر باد کرکے مانڈو کو صدر مقام بنایا اور بلدہ کی آرائش میں کافی سرمایہ خرچ کیا ۔ بہترین عمارتیں اور کھنڈر اس پرشکوہ سلطنت کی یادگار رہیں ۔ (۲۷) سال کی طویل حکومت میں بادشاہ نے چاروں طرف فوجیں بڑھائیں اور قرب وجوار کے رئیسوں کو زیر کیا والی گجرات، سید مبارک شاہ والی دہلی، احمد شاہ بہمنی اور جون پور کے بادشاہوں سے اکثر جنگ چھڑ جاتی تھی لیکن اکثر فتح ونصرت کا سہرا ہوشنگ کے سر رہا کرتا تھا ۔

ہوشنگ کے ان تمام حملوں میں وہ حملہ بڑا دلچسپ ہے جو اس نے جاج نگر کے راجہ پر کیا تھا اس کا واقعہ یہ ہے کہ ہوشنگ شاہ کو ہاتھیوں کی سخت ضرورت تھی اور اس وقت جاج نگر کے راجہ کے ہاں کئی سو ہاتھی تھے ۔ اُس وقت تجارت میں

زیادہتر اشیاء کا تعاوض ہوا کرتا تھا ۔مثلاً ململ کے معاوضہ میں گھوڑے ہاتھی وغیرہ تبدیل کئے جاتے تھے ۔ہوشنگ ایک ہزار جرار سپاہیوں کو تاجروں کے بھیس میں لے کر راجہ کے پاس پہنچا اور مال تجارت پیش کرنے لگا اتفاقاً راجہ کے ہاتھیوں کا ایک دستہ گھبرا کر مال تجارت کو روندتے ہوئے نکل گیا ۔ بادشاہ کو مال کے اس طرح خراب ہونے پر اس درجہ غصہ آیا کہ فوراً راجہ کو گھیر کر اسیر کر لیا اور اپنی اصلیت کا انکشاف کر دیا اور (۷۵) ہاتھی لے کر مانڈو روانہ ہوا ۔ ریاست مالوہ کی دولت کا اندازہ نہ صرف بادشاہ کے ذاتی اخراجات اور شان وشوکت سے ہوتا ہے بلکہ کروڑہا روپے عمارتوں کے بنوانے میں صرف ہوئے اور مشرقی بادشاہوں میں اس قسم کا شوق ایک فطرتی امر تھا ۔

ہوشنگ کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا محمد شاہ تخت نشین ہوا لیکن نااہل اور عیش پرست ہونے کی وجہ سے اس کا ایک قابل وزیر محمود خاں خلجی رعایا کی خواہش پر خود تخت نشین ہوگیا یہ واقعہ سنہ ۸۴۰ ہجری م سنہ ۱۴۳۶ء کا ہے یہاں سے مالوہ کا مشہور خلجی خاندان شروع ہوتا ہے مورخین کا کامل اتفاق ہے کہ شاہان مالوہ میں ہر حیثیت سے یہی زبردست بادشاہ ہوا ہے اسی کے زمانہ میں ملک انتہا درجہ وسیع ہوا دولت کا اندازہ صرف بادشاہ کے شوق کشورکشائی سے ہوسکتا ہے ۔کوئی مہینہ ایسا نہیں گزرتا تھا کہ اپنے ملک سے بہت دور خیموں میں نظر نہ آتا ۔ محمود غزنوی نے ہندوستان پر ہر سال ایک حملہ کرنے کا عہد کرکے چھوٹے بڑے سترہ حملوں میں اتنا مال غنیمت یہاں سے لے گیا کہ فوج کے ہر سپاہی کو ڈھال بھر بھر کر سونا چاندی امراء کو جواہرات دینے کے بعد بھی مرتے وقت جواہرات کی اتنی اونچی ڈھیر تھی کہ بادشاہ سر اوپر کئے بغیر دیکھ نہیں سکتا تھا ۔ دارالسلطنت میں بڑی بڑی عمارتیں جامع مسجد اور ایک مدرسہ اس کی بڑی یادگار سمجھی جاتی تھیں ۔محمود غزنوی کی لامحدود دولت وثروت کا انکار کسی مورخ سے ممکن نہیں ۔ اسی معیار پر ہم والی مالوہ سلطان محمود خلجی کو جانچیں ۔

تو اس میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ والئی مالوہ کی حیثیت سے اپنے ہم نام غزنوی سے کم نہیں تھا راجپوتانہ کے چھوٹے بڑے اکثر راجہ مثلاً لونڈی۔ کوٹہ بیانہ رنتھنبور۔ اجمیر۔ منڈسور۔ کردلی نہ صرف تاوان و تحائف دے کر فاتح مالوہ کے آگے سر جھکا دیتے تھے۔ بلکہ سالانہ پیش کش ادا کرنے میں اپنی نجات سمجھتے تھے۔ میواڑ کا مشہور رانا سانگا جس کا غرور اور عزم مشہور ہے۔ مسلمانوں کے آگے کبھی سر جھکایا نہ تھا لیکن ایک لڑائی میں محمود کو اس پر فتح نصیب ہوئی جس کی یادگار میں ایک ہفت منزلہ مینار مانڈو میں کثیر صرفہ سے تیار کرایا گیا تھا جس کے اب کھنڈر موجود ہیں محمود نے نہ صرف ہندو رئیسوں پر فوج کشی کی بلکہ اطراف واکناف کے مسلمان بادشاہوں سے بھی کئی مرتبہ شمشیر آزمائی کر کے اپنی فتح کا سکہ بٹھا دیا ان میں قابل ذکر گجرات دکن جون پور اور دہلی کے بادشاہ شامل ہیں محمود کی یادگار مانڈو میں کئی محل جامع مسجد اشرفی محل یعنی درس گاہ وغیرہ ہیں۔

مالوہ کی شہرت نہ صرف ہندوستان تک محدود رہی بلکہ بیرونی ممالک اسلامی تک پھیل گئی۔ محمود غزنوی کی شہرت سن کر خلیفہ بغداد نے یمین السلطنۃ امین الدولہ کا خطاب عطا کیا تھا لیکن محمود غزنوی کی شہرت کا حال خلیفۂ وقت مستعد باللہ یوسف ابن محمد نے سن کر خاص اہتمام کے ساتھ سفارت روانہ کی تھی اور تیمور کے نبیرہ سلطان ابو سعید مرزا والئی خراسان نے اسی قسم کی ایک سفارت روانہ کی محمود نے حسب مراتب تو اور تحائف جن میں کئی سو عربی گھوڑے ہزارہا حبشی و ہندی غلام گانے والی بہترین کنیزیں کئی ہاتھیوں پر سوار جن پر چاندی اور سونے کی جھولیں تھیں۔ عمدہ عمدہ ململ کے تھان بہترین مینا اور طوطے وغیرہ روانہ کئے۔

سنہ ۱۴۶۹ء میں محمود کا انتقال ہوا۔ اس کا بیٹا غیاث الدین خلجی تخت نشین ہوا۔ اس بادشاہ کے کارنامے ولی عہدی کے زمانے سے ہی شروع ہو گئے تھے۔ چنانچہ باپ کے جیتے جی حیات بہت سی فتوحات ہوئیں۔ تخت نشینی کے بعد

اطراف واکناف کی ریاستوں سے لڑائیاں ہوتی رہیں لیکن ورثہ میں جو سلطنت اور دولت ملی تھی اس کا صحیح اندازہ کرنا ہو تو بادشاہ کی دریا دلی اور سخاوت کو مدنظر رکھنا چاہیئے یہ بادشاہ معاملات سلطنت میں جس درجہ اہل سمجھا جاتا تھا اسی درجہ دین کی پیروی میں بھی یکتا سمجھا جاتا ہے (۳۳) سال اس نے حکومت کی اور (۸۰) سال کی عمر میں بیٹے کے ہاتھ سے زہر کھا کر مر گیا مصنف مرآۃ سکندری غیاث الدین کے متعلق یوں رقمطراز ہے۔

"بادشاہ نہایت متقی پرہیزگار تھا اور مانڈو میں حکمت عملی اور فیاضی سے حکومت کرتا تھا"

شیخ رزق اللہ مشتاقی مصنف واقعات مشتاقی نے اس بادشاہ کے بعض حالات درج کئے ہیں جن کا بخوف طوالت صرف خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔ زہد و تقویٰ بادشاہ کا اتنا بڑھا ہوا تھا کہ صوم و صلوٰۃ کے علاوہ کبھی اس نے نماز تہجد ناغہ نہ کی تھی۔ حرم میں تاکیداً حکم دیدیا گیا تھا کہ آدھی رات کے بعد بادشاہ خواہ کسی جگہ کیوں نہ ہو نماز کے لئے نہ اٹھے تو ملازمین جبراً اس کو اٹھا دیں حتیٰ کہ نیند کی حالت میں پانی گرا دینے کا بھی حکم دے رکھا تھا۔ محل کی ستر (۷۰) خواتین حافظ قرآن تھیں اور بادشاہ لباس پہننے تک تلاوت میں مشغول رہتی تھیں اور حکم تھا جب تک بادشاہ کپڑے نہ پہن لے تلاوت ختم نہ کریں امر و نواہی کا اس قدر پابند تھا کہ اس زمانہ کے بادشاہوں کو جس قسم کی عیش پرستی و شراب نوشی کا مرض لاحق تھا وہ غیاث الدین کو چھو کر بھی نہیں گیا تھا۔ خمر و میسر کو عمل شیطان تصور کرتا تھا۔ چنانچہ ایک واقعہ مشہور ہے کہ شاہی طبیبوں نے بادشاہ کے لئے ایک نادر معجون تیار کیا اور بادشاہ کے استعمال کے لئے پیش کیا احتیاط کا عالم دیکھیے کہ بادشاہ نے اجزا کا جانچنا شروع کیا کم و بیش تین سو اجزا میں پونے چار ماشہ جائفل شریک تھا اس کو نشہ آور چیز سمجھ کر معجون کو تلف کر دینے کا حکم دیا اطباء نے کہا کہ اس پر ایک لاکھ تنکا خرچ ہوئے ہیں اگرچہ جہاں پناہ خود نہ استعمال کریں

تو کسی اور کو دیدیں بادشاہ نے جواب دیا کہ میں جس چیز کو اپنے لئے پسند نہیں کرتا اسے غیروں کے لئے بھی پسند نہیں کرتا۔

ایک مرتبہ شاہی گھوڑا بیمار ہوا دوسرے دن طبیبوں کے علاج سے اچھا ہو گیا بادشاہ سے عرض کیا گیا کہ گھوڑا دوا سے اچھا ہو گیا۔ محض اس شبہہ پر کہ ممنوع چیز گھوڑے کی دوا میں دی گئی ہوگی حکم ہوا کہ گھوڑے کو جنگل میں چھوڑ دیا جائے۔ بجائے جنگل میں چھوڑنے کے کسی کو دیدینے کے لئے کہا گیا تو جب بھی بادشاہ نے یہی جواب دیا کہ جو چیز اپنے لئے منع ہے دوسرے کے لئے بھی ممنوع ہے۔

فیاضی کا یہ عالم تھا کہ ہر روز بادشاہ کے بچھونے کے نیچے کئی ہزار روپئے رکھدیئے جاتے تھے اور روزانہ صبح میں تقسیم کردیئے جاتے تھے اس قسم کے دیگر حالات بھی ہیں جو بیان کئے جائیں تو موجودہ زمانے کے لوگ اس کو محض خوش اعتقادی پر محمول کریں گے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ قرون وسطی میں اس قسم کی تاریخی مثالیں بہت سی موجود ہیں۔ مصنف البرامکہ جعفر برمکی کی سخاوت کا دل سے قائل ہے لاکھوں درہم محض ریاست بغداد کا ایک وزیر خیرات کرسکتا تھا تو کیا وجہ کے سلطان مالوہ کی خیرات کا حال سن کر فسانہ کہیں۔ عبدالرحیم خانخاناں اکبر کے ایک معمولی درباری کا یہ عالم ہے کہ ایک فقیر اثنائے سواری میں ڈھیلا مارتا ہے فوراً عبدالرحیم ایک تھیلی اشرفیوں کی پیش کرنے کے لئے حکم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ڈھیلا ثمردار درخت کو مارا جاتا ہے۔ پس اسی بناء پر غیاث الدین کی چند فیاضیوں کے نمونے پیش کئے جائیں تو انھیں افسانوں کا مرتبہ نہ دیا جائے بلکہ امکان اور واقعہ کی حد تک اس کو پہونچایا جانا چاہئیے ان مثالوں سے صرف بادشاہ کی دریا دلی دکھانا مقصود نہیں ہے بلکہ مالوہ کی شان و شوکت جاہ و دولت کا حال منکشف کرنا مقصود ہے جہانگیر مالوہ کی فتح کے بعد یہاں پہونچا تو یہاں کی عمارتیں جو خراب و خستہ حالت میں تھیں دیکھ کر تعجب کرنے لگا اور تین چار لاکھ روپے صرف کرکے انکی مرمت کروائی۔

غیاث الدین کے دربار میں ایک دن یکے بعد دیگرے (۴) شخص آئے۔ اور چار مختلف گدھوں کے سم پیش کرکے ہر ایک نے کہا کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خر کا سم ہے ہر ایک کو پچاس ہزار روپیہ عطا کئے گئے اتنے میں پانچواں شخص آموجود ہوا۔ اور خر عیسیٰ کا سم پیش کیا ایک درباری نے کہا کہ گدھے کے چار سم ہوتے ہیں۔ معلوم نہیں حضرت عیسیٰؑ کے گدھے کے سم تھے بادشاہ نے حسب سابق (۵۰) ہزار دینے کے لئے کہدیا اور اس شخص کے جانے کے بعد کہنے لگا ممکن ہے یہ پانچواں سم صحیح ہو۔ بادشاہ کی فیاضی صرف انسانوں تک محدود نہ رہی بلکہ حیوانوں تک بھی پھیل گئی تھی ایک دن بادشاہ محل میں ایک چوہے کو پھرتا دیکھ کر حکم دیا کہ روزانہ اناج یومیہ از قسم نقدی اس کو دیا جائے۔ اس قسم کی فیاضی دیگر جانوروں تک بھی پھیل گئی تھی۔ مالوہ کے اس مختصر بیان میں میں نے اپنی طرف سے کوئی بات ایسی پیش نہیں کی جس کا کوئی تاریخی ثبوت نہ دیا جاسکتا ہو۔ اس مختصر بیان کے ماخذ حسب ذیل تاریخیں مرتب ہیں۔

(۱) اگزیٹیر آف انڈیا (۲) تاریخ ہند مصنفہ ونسنٹ سمتھ (۳) تاریخ ہند مصنفہ سرچارلس ریلیٹ (۴) تاریخ فرشتہ (۵) تاریخ سکندری (۶) واقعات مشتاقی (۷) مانڈو یا شادی آباد۔

معتبر تواریخ غیاث الدین خلجی کی فیاضی اور دریا دلی کی شاہد ہیں نیز سلاطین مالوہ کی دولت و ثروت بےحد و حساب ہونے سے کسی مورخ کو انکار نہیں خصوصاً سلطنت مالوہ کا پایہ تخت جب مانڈو بنا تو ہوشنگ شاہ کی کوششوں نے ملک کو دولت و ثروت کا معدن بنا دیا اس کے بعد محمود کے عہد میں جو ترقی ہوئی وہ تواریخ سے ظاہر ہے ان واقعات کے ہوتے ہوئے اب سلاطین مالوہ مانڈو کی مقدرت کے متعلق یہ رائے قائم کرنا صحیح نہ ہوگا کہ ایک کروڑ سکہ محمودی کی تسبیح اور ساٹھ قنطار سونا ہدیہ دینا بعید از قیاس ہے اب رہی یہ بات کہ

"غیاث الدین اپنے بیٹے نصیر الدین کے حکم سے پابجولانہ طلا
کس طرح ہوئی۔"

مقید تھا۔ مقید کو اس قدرت قدرت خزاین پر

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیٹے کا باپ کو زہر دیکر مارنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ خزاین پر قدات بھی اور بیٹا اس کی فیاضیوں سے تنگ آگیا تھا یا مکروہ سمجھتا تھا اور معتبر روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ بیٹے اور باپ میں معاہدہ تھا کہ ایام قید میں باپ مال و زر خاطر خواہ صرف کرے گا اگر یہ بات نہ ہوتی تو بیٹے کو اس کی زندگی کے خاتمہ کی تدابیر عمل میں لانے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اس کے مقید ہونے کے بعد کوئی ایسا ناگوار واقعہ نصیر الدین کے در پیش نہ ہوا۔ جس کی وجہ سے وہ اس کی زندگی کا دشمن بنتا بادشاہ زاہد متقی اور تہجد گزار تھا۔ بحالت قید بھی اس کے پاس تسبیح اور اس قسم کی چیزوں کا رہنا۔ سیاسی نقطۂ نظر سے بھی بعید از عقل نہیں ہے۔ رہا ساٹھ قنطار سونا سو وہ بھی سلاطین مانڈو کی دولت و ثروت کے نظر کرتے کوئی بیش بہا چیز نہ تھی کیونکہ قنطار دو سو دینار کا بھی ہوتا ہے اگر اس کا یہ پیمانہ فرض کر لیا جائے تو ساٹھ قنطار کے بارہ ہزار دینار ہوئے اور ایک دینار یہاں کے حساب سے ڈھائی روپیہ کا ہوتا ہے بارہ ہزار دینار کی تیس ہزار سے زیادہ رقم نہیں ہوتی۔

غیاث الدین جیسا فیاض بادشاہ بحالت پابجولانہ تیس ہزار روپیہ اور ایک تسبیح مروارید کو خود یا بیٹے کی اجازت سے دے تو کونسے استبعاد عقلی کی بات ہے۔ علاوہ بریں نصیر الدین اپنے باپ کو ان اموال میں تصرف کرنے سے روک سکتا تھا جن کا تعلق اس کی ذاتی جائداد سے نہ ہو غیاث الدین اپنے آبا و اجداد کی ذاتی جائداد کا شرعاً و قانوناً وارث تھا کیونکہ اموال غنیمت میں سلاطین کا بھی حق ہوتا ہے غنایم کی کثرت سلاطین کی مالی حالت میں لازمی طور پر زیادتی کا موجب بنتی ہے اور کیا عجب ہے کہ اس کے علاوہ ذرایع آمدنی تجارت و زراعت وغیرہ ہوں جو اس کی ذاتی جائداد ہوں سلاطین مانڈو کی تجارت کی

ایک مثال خود تاریخ میں بھی موجود ہے کہ ہوشنگ جاج نگر کے راجہ کے پاس ہاتھی خریدنے کے لئے مال تجارت لے کر آیا تھا اس لئے غیاث الدین خلجی کے متعلق یہ خیال نہ کیا جائے کہ

"مال بیت المال میں تمام مسلمانوں کا حق ہے کہ کسی غیر مستحق کو اس میں سے دینا یا حق سے زیادہ کسی کو دینا ظلم و خیانت ہے"

روایت میں اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ اموال مذکورہ بیت المال سے دئے گئے تھے۔ بلکہ قرینہ تو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ غیاث الدین نے باوجود مقید ہونے کے ہدایائے مذکورہ روانہ کئے تھے تو یہ سب مال ان کی ذاتی جائداد سے تعلق رکھتا تھا۔ اور اگر ان اموال کا تعلق بیت المال سے ہوتا تو نصیر الدین مانع ہوتا۔ علاوہ بریں غیاث الدین خلجی رحمہ اللہ جیسے بادشاہ جو اہل دنیا کی باتوں میں مشغولی کے وقت کفن سامنے رکھتے تھے اور اس سے عبرت حاصل کر کے تجدید وضو کرتے اور استغفار کر کے عبادت میں مشغول ہوتے تھے۔ (از طبقات اکبری صفحہ ۵۶۴) ان کے متعلق یہ خیال کرنا کہ انہوں نے بیت المال میں ناجائز تصرف کیا ہوگا ان کے حالات زندگی کے خلاف رائے قائم کرنا ہے اب ہم چند مثالیں سخاوت کی پیش کرتے ہیں جن سے خیرات اور متعلقہ امور کی توضیح ہو جاتی ہے۔

حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما روٹی کھا رہے تھے کہ ایک آدمی آیا اور کہا مجھ پر دس ہزار درہم کا قرض ہے تو امام حسن رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اسے دس ہزار درہم دیدیں۔ دس ہزار درہم دیدیئے گئے اور وہ باہر چلا گیا۔ لیکن اس سے یہ نہ کہا کہ آ اور روٹی کھا لوگوں نے کہا یا ابن رسول اللہ آپ نے اسے دس ہزار درہم بخشے اور یہ نہ فرمایا کہ آ اور روٹی کھا تو کہا قسم اس خدا کی جس نے میرے جد کو سچائی کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ اگر میں آج کے دن تک جانتا کہ کسی کو کہنا چاہیئے کہ آ تا کہ روٹی کھاوے انتہی کلامہ (از روضۃ الصفا)

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم غزا کے گھر کو آتے تو پہلے مسجد میں قیام فرماتے وہاں سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آتے پھر گھر میں جاتے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کی تشریف آوری کی منتظر رہا کرتی تھیں۔

ہر بار حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے فرماتیں جاؤ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے یا نہیں۔ ان کے آنے کی خبر لاؤ ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ کے آنے سے پہلے شاہ حبش نے دو دستوانہ زر مرصع کے قیمتی سو ہزار دینار کے حضرت فاطمہ رضؓ کی خدمت میں بھیجا اور بہت سی عجز و زاری کی کہ برائے خدا آپ ان کو ضرور قبول فرمایئے۔ حضرت فاطمہ رضؓ نے لے لئے اتنے میں حسینؓ دوڑے ہوئے آئے کہ بابا جان تشریف لاتے ہیں۔ چنانچہ آپ تشریف لا ہی رہے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اندر گھر سے گھر کے صحن میں استقبال کے لئے چلیں آپ کو دیکھ کر سلام کیا آپ کی نظر جب ان دستوانوں پر پڑی فرمایا میری طرف نہ آ کہ میں تجھ سے بیزار ہو گیا یہ کہہ کر آپ واپس چلے گئے حضرت فاطمہ رضؓ نے رونا شروع کیا اور روتے روتے بیہوش ہو گئیں جب ہوش میں آئیں تو آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور ہر بار یہ فرماتی تھیں کہ اے فاطمہ افسوس تیرے حال پر کہ تیرا مہربان بابا تجھ سے ناراض ہو گیا اے فاطمہ رضؓ افسوس کہ مصطفےٰ تجھ سے بیزار ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اے فاطمہ رضی اللہ عنہ رسولؐ خدا کا رنجیدہ ہونا بے سبب نہیں ہوا کرتا ہے۔ تم خود فکر کرو کس بات سے رنجیدہ ہوئے۔ فرمائیں میں نے تو کوئی گناہ نہیں کیا ہے شاید ان دونوں دستوانوں کو دیکھ کر ناراض ہوئے ہوں گے آپ نے کہا صحیح ہے ان کو دور کرو فوراً فروخت کئے گئے اور مدینہ میں آواز دلوا دی کہ اے فقیرو چلو دوڑو خانہ مرتضیٰ رضؓ و زہرا رضؓ سے صدقہ تقسیم کیا جاتا ہے ہر طرف سے فقیر آنے لگے صدقہ تقسیم ہونے لگا۔ اس غلغلہ کی آواز جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش مبارک میں بھی پہنچی آپنے دریافت فرمایا حضرت عائشہ رضؓ نے عرض کیا فاطمہ رضؓ کے ہاں صدقہ تقسیم کیا جا رہا ہے آپ نے فرمایا اس کے پاس کہاں سے آیا عرض کیں دو دستوانے نجاشی نے بھیجے تھے اس کا مال تقسیم کیا جا رہا ہے یہ سن کر آنحضورؐ برہنہ پا حضرت فاطمہ رضؓ کی طرف دوڑے اور ان کو مغموم دیکھ کر چھاتی سے لگا کر رونے لگے۔ اور ارشاد فرمایا اے جان بابا میں اب تجھ سے خوش ہوں ہمارا فخر فقر سے ہے نہ سیم

و زر سے اگر میں زر بینہ پوشی کروں تو قیامت کو گنہگاروں کی شفاعت کیوں کر کر سکوں گا۔ (از نافع صفحہ ۲۴۲)

مشہور ہے کہ ایک روز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اپنی چادر میں پیوند لگا رہی تھیں خادمہ نے عرض کیا کہ شاہ روم نے ستر ہزار دینار حضور کی خدمت میں بھیجے ہیں آپ نے فرمایا دروازے پر ڈال دے اور جو فقیر آتا جائے دیتی جا کنیز نے ایسا ہی کیا اور سب مال فقیروں کو دیدیا کنیز نے عرض کی اے مخدومہ کیا ہوتا اگر آپ اس میں سے ایک چادر بنا لیتیں حضرت عائشہ رضؓ فرمایا یہ پیوند بھی تو سات روز تک کام دے جائے گا۔ اتنے میں اور اللہ تعالیٰ عنایت کر دے گا پھر کنیز نے کہا کیا ہوتا اگر ایک درم مجھ کو بھی مل جاتا میں گوشت پکا کر کھاتی آپ نے فرمایا پہلے سے تو نے کیوں نہ کہا (از نافع صفحہ ۲۴۱)

وقت واحد میں حضرت فاطمہ رضؓ نے دو لاکھ پچاس ہزار روپیوں کی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے ایک لاکھ چھہتر ہزار روپیوں کی خیرات فرمائی یہ سخاوت فیض تعلیم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر تھا اور متاع الدنیا قلیل پر اعتقاد جازم رکھنے کا نتیجہ تھا۔

ایک دفعہ جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حمص والوں کے نام حکم بھیجا کہ اپنے ہاں کے فقراء کے نام ہمارے ہاں لکھ بھیجو وہاں سے فہرست آئی تو اس میں گورنر حمص عمیر بن سعید کا نام بھی درج تھا۔ فہرست پر نظر ڈال کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ عمیر کون ہے معلوم ہوا کہ امیر حمص ہیں تعجب سے فرمایا کہ پھر امیر کا نام فقیروں میں کیوں شامل کر دیا گیا۔ لوگوں نے عرض کی اس لئے کہ حمص میں ان سے بڑھ کر کوئی فقیر نہیں۔

پوچھا اے صاحبو تنخواہ بھی تو اُسے ملتی ہوگی وہ کدھر جاتی ہے معلوم ہوا کہ تنخواہ کی کیا بساط ہے اگر آپ اپنا بیت المال گھڑی بھر کے لئے بھی اس کے سپرد فرمادیں تو دوپہری گھڑی میں اس کی زمین کی خاک بھی آپ کو نظر

نہ آئے گی یہ سن کر جناب فاروق نے پانچ سو روپیہ عمر بن سعید کو بھیجے اور لکھا
یہ ہم نے تمہیں نذر بھیجے ہیں اپنے صرف میں لانا جناب عمیر نے اسی وقت خیرات
کرائی ۔ بیوی نے کہا کاش پانچ ہی روپیہ بچتے تو میرے کام آتے حضرت عمیر نے
فرمایا کہ پہلے سے کیوں نہ کہا میں تمہیں بھی دیدیتا اب کہتے بیٹھی ہو جب سب
بٹ چکے ہیں اچھا پھر دیکھا جائے گا ۔

جناب امین الامۃ ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر شام و
اجناد دین تھے صوف کا لباس پہنتے موٹے اناج کی روکھی سوکھی روٹی کھا لیا کرتے
تھے ۔ سواری میں گدھا رکھتے تھے لوگوں نے ہر چند سمجھایا کہ حضرت آپ یہ کیا کرتے
ہیں ظاہری حیثیت درست کیجئے دشمنوں کا قرب ہے ۔ اسلام کی ہیبت قائم
نہ رہے گی ارشاد ہوا کہ واللہ میں اپنی وہ حالت ہرگز تبدیل نہ کروں گا جو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر انور سے گزر چکی ہے ایک دفعہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ
نے دو ہزار روپیہ امین الامۃ کی خدمت میں بھیجے ۔ لے جانے والے سے کہدیا کہ دیتے
ہی نہ چلے آنا ذرا ٹھیر کر دیکھنا بھی کہ وہ ان روپیوں کو کیا کرتے ہیں اس کا بیان ہے
کہ جناب امین الامۃ نے وہ سب روپیہ اپنی لونڈی کو دیا اور کہا اتنا فلاں شخص کو
دے آ اتنا فلاں کو غرض کہ وہ سب اسی وقت نام بنام تقسیم ہو گئے ۔ لے جانے
والے نے اس کی اطلاع جناب فاروق رضی اللہ عنہ سے کر دی ۔

اسی طرح معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت مشہور ہے کہ انہیں
جو کچھ دیا جاتا تھا ۔ غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیتے تھے ایک دن کا ذکر ہے
کہ آیا ہوا روپیہ تقسیم کرتے کرتے جناب معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک دینار باقی رہ
گیا ۔ ان کی بیوی بولیں واللہ ہم سے بڑھ کر دنیا میں کوئی محتاج نہیں یہ ایک
دینار ہمیں دیدیجئے ۔ حضرت معاذ رضؓ نے وہ دینار انہیں پر پھینک مارا کہ خیر
تم ہی لے لو ۔ یہ حال سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس باب
میں ابو عبیدہ ابن الجراح اور معاذ بن جبل دونوں بھائی بھائی ہیں ۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک دفعہ پانچ ہزار روپیہ سعید بن عامر رضی اللہ عنہ
گورنر حمص کو بھیجے اور کہا کہ یہ روپیہ تمہارے ذاتی خرچ کے لئے تمہیں دیا جاتا ہے ۔
ان کی بیوی روپیہ دیکھ کر بولیں کہ اب خداوند کریم نے ہمیں غنی کر دیا اور آپ ہماری
فکر سے فارغ ہو گئے سعید نے کہا دیکھو میں اس روپیہ کو ایسے کام میں لگاتا ہوں
جس سے تم کو بہت فائدہ ہوگا اور ضرورت کے وقت تمہارے کام آئے گا ۔ آخرت
بڑی مشکل کا وقت ہے یہ فرما کر اس روپیہ کی چند تھیلیاں بنائیں اور ایک نیک
اور معتبر آدمی کو دیکھ کر کہا کہ فلاں فلاں اشخاص کو دے آ ۔ چنانچہ وہ روپیہ
حاجت مند مسکینوں میں تقسیم ہو گیا تھوڑا سا بچا تھا وہ بیوی کو دیدیا اور کہا کہ
اسے تم اپنے کام میں لاؤ بیوی نے پوچھا کہ اگر آپ اجازت دیتے ہیں تو میں ایک
خادم خرید لیتی ہوں ۔ حضرت سعید رضؓ نے جواب دیا ۔ بیوی سب سے زیادہ
ضروری اور اہم وقت تو قیامت کا ہے اُس دن خادم خود بخود تمہارے پاس
آجائے گا ۔ اب کیوں خادم بہم پہونچاتی ہو جانے بھی دو ۔

روایت ہے کہ جب روپئے حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے پاس آتے
تو آپ مغموم و ملول ہو جاتے ۔ گویا روپیہ کا آپ کے سامنے آنا ایک مصیبت تھی ایک
دفعہ روپیے جو آئے تو آپ رونے لگے بیوی نے گھبرا کر پوچھا کہ خیر تو ہے فرمایا کہ سخت
مصیبت ہے اچھا اپنا دوپٹہ مجھے دو انہوں نے اپنی اوڑنی دیدی آپ نے اُسے
پھاڑا اور الگ الگ پوٹلیاں باندھ کے سب تقسیم کر دیا ۔ جب چین آیا ۔ پھر
کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے نماز پڑھ چکے تو رونا شروع کیا اور روتے روتے ہی صبح
ہو گئی صبح کے وقت فرمایا کہ میں نے جناب رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے سنا
ہے کہ میری امت کے فقراء اغنیاء سے پانچ سو برس پہلے جنت میں داخل ہوں گے
یہاں تک کہ ان فقراء کی بھیڑ میں مل ملا کر ایک مالدار بھی بہشت میں گھس
جائے گا تو ٹانگ پکڑ کے وہاں سے نکال دیا جائے گا ۔

روایت ہے کہ حمص میں حضرت سعید رضی اللہ عنہ پر فاقہ پر فاقہ ہوتا تھا

یہاں تک نوبت پہونچی کہ گورنر صاحب کا افلاس زبان زد خاص و عام ہوگیا ہوتے
ہوتے جناب امیرالمومنین کو اطلاع ہوئی تو دو ہزار روپیہ حضرت سعید رض کو بھیجدیئے
اور قسم کے ساتھ لکھا کہ انھیں اپنے ذاتی اور متعلقین کے خرچ میں لانا جس وقت آپ
نے جناب فاروق کا فرمان عالی شان پڑھا اور اس کے ساتھ قسم بھی دیکھی تو دھاڑیں
مار مار کر رونے لگے بیوی نے گھبرا کر پوچھا کہ میری جان آپ پر قربان کیا حال ہے
خدانخواستہ امیرالمومنین کی وفات کی خبر تو نہیں آئی۔ آپ نے فرمایا اس سے بھی
بڑھ کر۔ بیوی بولیں تو کیا کہیں مسلمانوں سے جنگ چھڑ گئی حضرت سعید رض نے کہا کہ
اس سے بھی زیادہ بیوی نے پوچھا للہ بتاؤ تو سہی کہ پھر ہوا کیا؟ جو اتنے بے چین
ہو آپ کو اور بھی زیادہ رقت ہوئی جب بیوی نے زیادہ اصرار سے پوچھا تو
فرمایا کہ بیوی کہاں تک اپنی کمبختیوں کو روؤں جب دیکھو مصیبت دنیا میں مبتلا
کردیا جاتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا دنیا میں ملوث
نہیں کیا گیا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رفاقت کی دنیا نے اتنے حملے مجھ پر نہیں
کئے میرے اوپر ایسا مصیبت کا وقت ہے کہ دنیا بار بار مجھے ستاتی ہے۔ حضرت
امیرالمومنین رض نے میرے ذاتی خرچ کے لئے دو ہزار روپئے مرحمت فرمائے ہیں اور قسم
بھی دلائی ہے کہ اپنے خرچ میں لانا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن چکا ہوں کہ
امیروں سے پہلے فقیر جنت میں داخل ہوں گے۔ خدا کی قسم اسی لئے میں دنیا کے مال
سے محبت نہیں رکھتا کہ کہیں فقیروں سے پیچھے نہ رہ جاؤں۔ یہ سن کر بیوی
پر بھی ہیبت طاری ہوگئی اور کہا کہ کسی طرح اسے ٹالو۔ حضرت سعید رض نے فرمایا
کہ تمہارے پاس کوئی پرانا کپڑا ہو تو لادو انہوں نے اپنی ایک پرانی اوڑھنی لادی آپ
نے اس کی دس تھیلیاں بنائیں اور وہ سب روپیہ ان میں بھر کر توبرہ میں رکھ
لئے حمص کے باب الرستاق سے باہر نکلے اور سب تھیلیاں بانٹ دیں ایک
جو بچی وہ اپنی بیوی کو دیدی اور فکر و تردد سے نجات پائی (از شمس التواریخ
صفحہ ۹۱۴ تا ۹۱۸)

نجاشہ شاہ حبش کا حضرت فاطمہ رض کی خدمت میں مرصع دستوانوں قیمتی
دو لاکھ پچاس ہزار روپیوں کا نذر گزراننا اور رسول اللہ صلعم کا حضرت فاطمہ رض
کے گھر میں ان کو دیکھ کر نارضامند ہونا اور حضرت فاطمہ کا بادشاہ حضرت علی
کرم اللہ وجہہ دستوانوں کو فروخت کر کے مساکین وغربا کو اسی وقت خیرات کرنا اور
اس عمل پر سرور عالم م کا خوش ہونا اور سلطان غیاث الدین خلجی رحمۃ اللہ علیہ کا امام
الوریٰ مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک کروڑ محمودی حاصل تقریباً
۳۷½ لاکھ کی تسبیح اور ساٹھ قنطارہ وغیرہ نذر گزراننا اور حضرت امام علیہ الصلوٰۃ
والسلام کا اموال ہدایا کو اسی وقت غربا و مساکین کو خیرات کرنا حماملت۔ بلکہ سخاوت
خاتمین ع کی بین دلیل ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کا ایک لاکھ بہتر ہزار روپیوں
کی طرف توجہ نہ کر کے اپنی کنیز سے یہ فرمانا کہ دروازے میں ڈال دے اور جو فقیر آتا جائے
اسے دیتی جا اور اپنی پھٹی ہوئی چادر میں پیوند لگاتے رہنا اس امر پر دلالت کرتا ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے اہل بیت کرام رض کو دنیا
اور مال دنیا سے بے انتہا استغنا تھا اور بفحوائے متاع الدنیا قلیل مال دنیا کی
بڑی سے بڑی مقدار ان کی نگاہوں میں نہایت حقیر و ذلیل تھی اصحاب نبی
صلعم کا یہی حال تھا کہ مال دنیا اپنے پاس رکھنا پسند نہیں کرتے تھے چنانچہ جناب
ابوعبیدہ بن الجراح معاذ بن جبل اور جناب سعید رضی اللہ عنہم کے حالات سے
معلوم ہوچکا۔

بروایت جنت الولایت مہدی علیہ السلام مانڈو سے دکن کی طرف روانہ
ہوئے اور امام علیہ السلام کے روانہ ہونے کے چند روز کے بعد سلطان غیاث الدین
رحمہ اللہ کو ان کے بیٹے نصیرالدین نے قید کردیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا اور پھر چند
دنوں کے بعد ان کو ہلاک کردیا چنانچہ صاحب جنت الولایت رح کے الفاظ یہ ہیں۔

متعقب حضرت میراں علیہ السلام بعد از چند روز پسر
سلطان کہ نام آں سلطان نصیرالدین است سلطان را

گرفتہ دربارہ کمر دو خود بہ بادشاہی نشست من بعد چند
مدت پدر خود را کشت ۔

اس روایت سے واضح ہے کہ حضرت میراں علیہ السلام کا قیام مانڈو میں سلطان غیاث الدین خلجی کی حکومت کے زمانہ میں ہوا تھا مورخین لکھتے ہیں کہ سلطان غیاث الدین ۱۴۶۹ء م ۸۷۳ھ ہجری میں تخت نشین ہوئے اور (۳۳) سال حکومت کی سلطان کا زمانہ حکومت ۸۷۳ھ ہجری سے (۳۳) سال شمار کیا جائے تو ۹۰۶ھ ہجری تک بھی ان کو بر سر حکومت ماننا پڑے گا ۔ اور ۹۰۲ھ کا زمانہ امام علیہ السلام کے دعوے موکد کا ہے اور یہ امر مسلم ہے کہ مانڈو میں امام علیہ السلام کا قیام دعوئ موکد سے پہلے ہوا تھا ۔ پس صاحب جنت الولایت کی روایت کتب تواریخ کے مطابق ہے، تاریخی مواد کے لحاظ سے اس روایت اور روایات سابقہ میں یوں تطبیق ہوسکتی ہے کہ جس زمانہ میں امام علیہ السلام کا قیام مانڈو میں ہوا تھا اندرونی طور پر بیٹا باپ کو مجبور کر رکھا تھا ۔ لیکن کامل اقتدار اس کو حاصل نہ تھا اور نہ اپنے باپ کی داد و دہش کا خاطر خواہ مانع و مزاحم ہوسکتا تھا ۔ اسی وجہ سے مورخین نے اس زمانہ کو غیاث الدین ہی کے عہد حکومت میں شمار کیا ہے ۔

صاحب جنت الولایت رح نے مہدی علیہ السلام کی روانگی کے چند روز کے بعد سلطان کو مقید کرنے کی جو روایت فرمائی ہے اس سے وہ زمانہ معلوم ہوتا ہے جس میں نصیر الدین کو کامل اقتدار حاصل ہوگیا تھا ۔ روایت میں چند روز کے الفاظ بطور مجاز مرسل چند سال پر بھی محمول کئے جاسکتے ہیں ۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں ؎

وہ روزہ مہر گردوں افسانہ است و افسوں
نیکی بجائے یاراں فرصت شمار یا با

واضح ہو کہ جنت الولایت مولانا منصور خاں رح بن ہیبت خاں کی تالیف

انیقہ ہے جن کو حضرت بندگی میاں سید محمود خاتم المرشدین ابن حضرت بندگی میاں سید خوندمیر صدیق ولایت رضی اللہ عنہما کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل تھا ۔ چنانچہ کتاب کے خاتمہ پر تحریر فرماتے ہیں ۔

ایں مکتوب از منصور بن ہیبت خاں صدقہ خوار سید السادات میراں سید محمود بن میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہ بجہت مطالعہ خود شاں نوشتہ شد ۔

قربت عہد مبارک امام علیہ السلام کی وجہ سے مولانا منصور خاں رحمہ اللہ سے بندگان سلف نے روایت فرمائی ہے ۔ چنانچہ صاحب شواہد الولایت رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کا ماخذ جن کتابوں کو بتایا ہے ان میں جنت الولایت مولفہ مولانا منصور خاں رحمہ اللہ کا بھی نام دیا ہے ۔ چنانچہ ابتداء کتاب میں تحریر فرماتے ہیں ۔

دریں باب کتاب شروع نمودیم و از کتب متفرقات من المنقولات حضرت امام علیہ الصلوٰۃ خصوصاً محبتہ المنصفی و انصاف نامہ مولانا میاں یوسف رحمہ اللہ و ہو کتابتہ التابعین و از مطلع الولایت کہ تصنیف سید السادات عالیہ درجات امیر ابوالقاسم رحمتہ اللہ علیہ ابن امیر سید یوسف ابن امیر سید یعقوب ابن بندگی حضرت میراں سید محمود ثانی مہدی و ہو آلایتہ رضی اللہ عنہ و نیز از کتاب جنت الولایت مولانا منصور خاں برہان پوری رح انتخاب کردا نتہی
قولہ

الغرض جنت الولایت مہدویہ کی معتبر کتب ہے اس کتاب کی روایت اور روایت سابقہ کی تطبیق اور کتب تواریخ کے مواد سے امام علیہ السلام کا قیام مانڈو میں ایک ایسے زمانہ میں ہوا تھا کہ سلطان اپنی داد و دہش میں آزاد تھا نصیر الدین

کو کافی اقتدار حاصل نہ ہونے کی وجہ سے مانع و مزاحم نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے سلطان غیاث الدین رحمۃ اللہ کو خزائن پر قدرت نہ ہونے کی بنا پر بجائے خود ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

شفقت

اللہ کے نیک بندے عموماً صفات حسنہ کے زیور سے آراستہ ہوتے ہیں۔ لیکن انبیاء اور اللہ کے خلیفوں میں صفات شریفہ اور اخلاق حسنہ کا ظہور درجۂ کمال کے ساتھ ہوتا ہے جن کی شہادت ان کے مقدس اعمال اور حالات سے ملتی ہے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پاک میں اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے۔

لقد جاءکم رسول من انفسکم
عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم
المومنین رءوف رحیم ۝

(ترجمہ) البتہ تحقیق آیا تمہارے پاس رسول تم ہی میں سے شاق ہے اس پر جو تم پر رنج میں پڑے حریص ہے تم مومنین پر مہربان اور بخشنے والا ہے۔

ابی بن کعبؓ سے مروی ہے کہ آیات منزلہ میں سے سب سے آخری آیت نازل ہوئی وہ یہی ہے۔ یہ آیت سورۂ توبہ کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں مجھ پر قرآن آیت آیت اور حرفاً حرفاً نازل ہوا سوائے سورۂ براءت اور قل هو الله احد کے کہ یہ دو سورتیں جب مجھ پر نازل ہوئیں تو ان کے ساتھ فرشتوں کی ستر ہزار صفیں تھیں۔

عزیز علیہ ما عنتم اور حریص علیکم سے صاف ظاہر ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بنی نوع انسان کو امراض روحانی سے پاک اور طاہر بنانے میں جس قدر شغف رکھتے تھے اسی قدر ان کی ضلالت آپ کو شاق اور ناگوار بھی تھی در اصل یہ ملکۂ شفقت کا کامل ظہور تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ انسان غایت خلقت کی منزل مقصود کو پہچانے اور عبادت کے راز سے واقف ہو۔ حریص علیکم

کا معنی یہ ہے کہ آنحضور تمہارے اسلام پر حریص ہیں بعض نے علیکم کا معنی علیٰ ایمانکم لکھا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ علیکم بمعنی علیٰ ہدایتکم ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری ہدایت پر حریص ہیں اللہ کے بندوں کو راہ ہدایت پر لانے میں حریص ہونے کا مادہ جس میں ہو اس سے بڑھ کر شفقت کا ظہور کسی میں نہیں ہو سکتا۔

دنیا کا نقصان دنیا کی طرح فانی اور سریع الزوال ہے۔ آخرۃ کا نقصان باقی ہے جو صاحب نقصان کو دائمی خسارہ میں ڈالتا ہے کسی کو آخرۃ کے نقصان میں گرفتار دیکھ کر اس کی بری حالت سے متاثر ہونا اور اس کے زائل کرنے میں لگے رہنا حقیقی شفقت ہے امام الآفاق حضرت مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ کے حالات اور آپ کے اصل تعلیم سے ظاہر و باہر ہوتا ہے کہ ملکۂ شفقت آپ کی ذات انبیاء صفات میں بدرجۂ اتم موجود تھا۔ آپ کی تعلیم اور ہدایتوں کی غایت یہ ہوتی تھی کہ ظلوم و جہول انسان حیات دنیا کی تاریکیوں اور غفلتوں سے نکل کر حیات طیبہ کے روح افزا مقامات قدسیہ میں پہنچ جائے انسان اس امر نا ملائم سے جو اس کو لاحق ہوتا ہے بہت متاثر ہوتا ہے اور اس کے زائل کرنے میں لگا رہتا ہے یہ بات اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اس کا نفس دنیا کی اور چیزوں سے زیادہ عزیز اور پیارا ہوتا ہے ماں باپ اپنے بچوں کو کسی امر ناموافق میں مبتلا ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے ان کے زائل کرنے میں حکمت و کوشش صرف کر دیتے ہیں کیونکہ ماں باپ کو اپنے بچوں سے اتنی ہی محبت ہوتی ہے جتنی کہ ان کو اپنے نفس سے ہوتی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ماں باپ اولاد کے جسمانی مربی ہوتے ہیں۔ اور ان کی شفقت کا یہ حال ہے تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت بدرجہا زیادہ ہونا امر یقینی ہے۔ چنانچہ اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے۔ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین اور یہی شان رحمت و شفقت اس ذات ستودہ کی بھی ہونی چاہئے جس کی شان

میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ۔ یقفوا اثری ولا یخطی

ای ملکہ شفقت کا ظہور تھا کہ بہ حکم خدا امام الآفاق مہدی موعود علیہ السلام نے وطن چھوڑا غربت کی مصیبتیں جھیلیں اخراج کی اذیتیں سہیں تلواروں کے سایہ کے نیچے فوجوں کے مقابلہ میں دعوت الی اللہ کا سلسلہ جاری رکھا اور خدا کے بندوں کی ہدایت اور تعلیم و تلقین میں کمی نہ کی اور بندگان خدا کو خسارہ آخرت سے بچانے کی سعی میں لگے رہے نہ صرف وعظ و بیان پر اکتفا فرماتے بلکہ بنفس اقدس بندگان خدا کے اعمال کی نگرانی میں معروف رہتے اور کوئی عمل ذرا بھی مراتب آخرۃ کی ترقی سے روکنے والا ان سے سرزد ہوتا تو اس سے منع فرماتے ۔

ایک دن سردی کے موسم میں امام علیہ السلام نے نماز صبح کے بعد میاں امین محمد اور بندگی میاں یوسف رضی اللہ عنہما کے حجرے میں تنور دہکتا ہوا ملاحظ فرمایا اور تنور کے پاس تشریف لے گئے ۔ دیکھا کہ تنور میں روٹیاں لگائی گئی ہیں ۔ فرمایا میاں امین محمد میاں یوسف ! یہ تمہارا کام نہیں ہے کہ اس وقت روٹی پکانے میں مشغول ہوں انہوں نے عرض کی میراں جی تنور گرم ہوگیا تھا اس لئے روٹیاں لگا دیں حضرت میراں علیہ السلام نے فرمایا اس وقت نہ پکانا چاہئے نہ کھانا چاہئے اس روایت کے نقل کرنے کے بعد صاحب انصاف نامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں حضرت میراں علیہ السلام کی کوشش ہمیشہ یہ ہوتی تھی کہ رات دن اللہ تعالیٰ کی یاد میں رہو امام علیہ السلام کی یہ کوشش انتہائے شفقت کا نتیجہ تھا کہ بندگان خدا آخرت کے مراتب میں ترقی کریں اور احکام الٰہی سے ذرا بھی غفلت نہ برتیں چنانچہ اللہ جل شانہٗ ارشاد فرماتا ہے ۔ یا ایھا الذین امنوا اذکروا اللہ ذکراً کثیراً و سبحوہ بکرۃ و اصیلاً

(ترجمہ) اے وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ کا ذکر کثیر کرو اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کرو ۔

آپ کی رافت و شفقت اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ اگر دو آدمی ایک

جگہ مل کر دنیوی باتوں میں مشغول ہوتے تو اس کو بھی منع فرماتے ۔

وقت کی قدر اور پاس انفاس کی عزت بندگان خدا کے ذہن نشین کرنے کے لئے بذات اقدس نگرانی فرماتے رہتے تھے میاں ولی رحمہ اللہ بندگی میاں شیخ محمد کبیر سے اور بندگی میاں شیخ محمدؒ کبیر امام ع سے یہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک روز میں باجری کوٹ رہا تھا کہ اتنے میں میرے پاس حضرت میراں ع رونق افروز ہوئے اور فرمایا کیا کام کر رہے ہو میں نے کہا باجری کوٹ رہا ہوں حضرت میراں ع نے فرمایا اگر ایک مٹھی دانہ کسی کو اجرت دیدیتے تو یہ کام ہوجاتا اپنے وقت کو ضائع نہ کرنا چاہئے ایک مٹھی دانہ دیدو اور خود خدائے تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہو ۔

آپ کی شفقت و رافت حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم کا نمونہ تھی طالبان مولا کے حجروں میں تشریف لے جانے کی تکلیف گوارا فرماتے اگر دیکھتے کہ بندگان خدا حجروں میں یاد الٰہی میں مشغول ہیں تو ان پر بہت شفقت اور لطف فرماتے اور خوش ہوتے اگر لیٹے ہوئے پاتے تو گوجری زبان میں ارشاد فرماتے ۔ اچھے جی اچھے تعلق نیست بندہ نشستہ است ۔ اور اگر حجرے سے کسی کو غائب پاتے تو فرماتے بے ڈھنگے ہیں جو حجرے میں نہیں رہتے ہیں ۔ (از انصاف نامہ باب یازدہم)

امام علیہ السلام اپنے وعظ و بیان میں آیات خوف بیان فرماتے تھے چنانچہ اسی پر سے ملاؤں نے پوچھا کہ آپ آیات رحمت و رجا کم بیان کرتے ہو اور آیات خوف و رجا اکثر بیان کرتے ہو حتیٰ کہ بندہ ناامید ہوجاتا ہے تو آپ نے جواب میں یہ حدیث پڑھی اخوک من حذرک لا من غرہ یعنی تیرا بھائی وہ ہے جس نے تجھے ڈرایا نہ وہ جس نے تجھے دھوکے میں ڈالا (از انصاف نامہ باب پنجم)

حضور کا یہ عمل مبنی بر شفقت و اتباع سنت نبوی تھا چنانچہ صحیح مسلم میں احادیث تحذیر عنوان شفقت ہی کے تحت بتائی گئی ہیں

منجملہ ان احادیث کے ایک حدیث شریف یہ ہے کہ
(ترجمہ) ہم سے عبداللہ ابن براء اشعری اور ابوکریب نے حدیث بیان کی اور الفاظ ابوکریب کے ہیں ان دونوں نے کہا ہم کو ابواسامہ نے برید کی روایت سے خبر دی برید ابوبردۃ سے اور وہ ابوموسیٰ سے ابوموسیٰ رضؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیق میری مثال اس چیز کی جس کے ساتھ مجھے اللہ نے مبعوث فرمایا ہے مانند مثال اس آدمی کے ہے جو اپنی قوم میں گیا اور کہا اے قوم میں نے اپنی آنکھوں سے لشکر دیکھا ہے اور میں برہنہ ڈرانے والا ہوں اب تم شتابی کرو ایک جماعت نے اس کی بات مان لی اور پہلی شام اپنے گھروں سے نکل پڑے اور اطمینان سے چل دیئے اور ایک جماعت نے اس کی بات نہ مانی صبح تک اپنے گھروں میں ٹھیرے رہے صبح ہوتے ہوتے لشکر ان کے پاس پہنچ گیا اور ان کو ہلاک کر دیا اور ان کی بیخ کنی کر دی پس یہ مثل اس کی ہے جس نے میری اطاعت کی اور میری لائی ہوئی باتوں کی پیروی کی اور مثل اس کی ہے جس نے میری نافرمانی کی اور میرے لائے ہوئے امر حق کی تکذیب کی۔ (از صحیح مسلم باب شفقت رسول اللہؐ)

یہ شفقت نہ صرف خاص لوگوں کے ساتھ تھی بلکہ جو کوئی بھی ہو اس کے ساتھ یہی رؤفانہ سلوک ہوتا تھا چنانچہ اگر کوئی شخص حضور کے سامنے دنیا اور دنیاداروں کی حکایتیں شروع کرتا تو آپ اس حکایت کو منقطع فرماتے اور ارشاد فرماتے ان باتوں کو بھول جاؤ ہر حال میں حق تعالیٰ کی یاد میں رہو اور یہ آیت شریفہ تلاوت فرماتے یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً۔

یہ امر مسلم ہے کہ شفیق ماں باپ اپنے بچوں کے لئے تابہ امکان اچھے سامان

خورد و نوش و لباس مہیا کرتے ہیں شفیق استاد اپنے شاگردوں کے لئے ہر طرح کی سہولت بہم پہنچانے میں دریغ نہیں کرتے۔ شفیق رہنما نزدیک اور آرام کے راستوں سے مسافر کو منزل مقصود تک پہنچانے کی سعی کرتے ہیں امام علیہ السلام نے بھی بندگان خدا کو معرفت اور لقاء رب کی منزل مقصود کو پہونچانے میں آسان سے آسان طریقے اور بہتر سے بہتر ذرائع مہیا فرمائے اور وہ طریقے جو مدتوں سے بھولے ہوئے تھے یاد دلائے

میاں ولی جی رحمہ اللہ بندگی میاں لاڑشہ رضی اللہ عنہ سے اور بندگی میاں لاڑشہ رضؓ میراں علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت میراں علیہ السلام نے فرمایا کہ علم لابدی چاہیئے تاکہ نماز، روزہ اور ایسے ہی افعال جن کا تعلق دین رسول اللہ علیہ السلام سے ہے درست ہوں۔ اس روایت سے واضح ہے کہ حضرت میراںؑ افعال دین کے علم لابدی پر زور دیتے تھے لیکن مبتدی میدان طلب مولا کا اگر علم لابدی کے علاوہ دیگر علوم کے حصول میں اپنی اوقات صرف کرنا چاہتا تھا تو اس کو منع فرماتے تھے۔ حضرت کا یہ عمل مبنی بر شفقت تھا کہ کہیں مبتدی غیر ضروری معلومات کے حصول میں ضروری تزکیہ نفسانی سے محروم نہ رہ جائے چنانچہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے۔ ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلو علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین (ترجمہ) وہ وہی ہے جس نے امیوں میں انھیں میں سے رسول کو بھیجا ان کے سامنے اس کی آیتوں کو پڑھتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم کرتا ہے اگرچہ کہ وہ اس سے پہلے البتہ کھلی گمراہی میں تھے۔

یزکیھم کی تفسیر میں صاحب مدارک اور صاحب کشاف نے یطھرھم من الشرک وخبائث الجاھلیۃ لکھا ہے یعنے ان کو شرک اور ایام جاہلیت کی خباثتوں سے پاک کرتا ہے اور

صاحب تفسیر حسینی نے لکھا ہے کہ از خبث عقائد اور اخلاق کی برائیوں سے پاک کرتا ہے صاحب تفسیر خازن نے یطھرھم من دنس الشرک لکھا ہے یعنی ان کو شرک کے میل سے پاک کرتا ہے صاحب تفسیر جلالین نے یطھرھم من الشرک ہے یعنی ان کو شرک سے پاک کرتا ہے اور صاحب تفسیر بیضاوی نے یزکیھم من خبائث العقائد والاعمال لکھا ہے یعنی ان کو اعمال و عقائد کی برائیوں سے پاک کرتا ہے۔

کتاب سے مراد قرآن شریف اور حکمت سے مراد صاحب کشاف کے پاس سنۃ ہے اور صاحب تفسیر جلالین کے پاس احکام قرآنی ہیں اور صاحب تفسیر بیضاوی کے شریعۃ یا معالم دین از قسم معقول و منقول اور صاحب تفسیر مدارک پاس سنۃ یا فقہ فی الدین ہے صاحب تفسیر خازن نے حکمت کی کوئی تفسیر نہیں فرمائی بلکہ یہ لکھا ہے قیل ھی السنۃ یعنی بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ حکمت سے مراد سنت ہے ان تمام تفسیروں کا ماحصل یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تزکیۂ نفسانی فرماتے تھے اور کتاب و شریعۃ یا سنۃ کی تعلیم دیتے تھے کس کے لئے کس قسم کا تزکیہ چاہیئے اس بات کو مزکی جان سکتا ہے علم معانی سے جو اصحاب واقف ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ جو متکلم بلیغ ہوتا ہے وہ اپنے کلام میں بعض الفاظ کی تقدیم اور بعض کی تاخیر میں ایک خاص فائدہ ملحوظ رکھتا ہے مشہور ہے کہ فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ۔ اللہ تعالیٰ جو سب حکیموں کا خالق ہے اس کے کلام پاک میں بے شمار حکمتیں اور اسرار مخفی ہیں اسی وجہ سے ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل کی ترتیب سے بعض مفسرین نے فائدہ اٹھایا صدقات میں بھی اسی ترتیب کو قائم رکھنے کی رائے دی ہے۔ اسی طرح یزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ کی ترتیب بھی اپنے اندر ایک بڑا فلسفہ رکھتی ہے یعنی پہلے نفس پاک ہوئے تب کتاب و حکمت کی تعلیم کا رنگ اس پر اچھی طرح چڑھ سکتا ہے رنگریز کپڑا رنگنے سے پہلے اس کا پہلا رنگ نکال دیتا ہے اور میل کچیل سے صاف کر دیتا ہے اس کے بعد دوسرا رنگ چڑھا دیتا ہے اسی طرح کتاب اللہ

اور سنت رسول اللہ کی تعلیم کا رنگ نفوس انسانی پر چڑھنے کے لئے سابقہ میل کچیل سے صاف ہونے کی ضرورت ہے۔ امامنا مہدی علیہ السلام نے اسی پایہ پر اپنی تعلیم کی بنیاد رکھی آپ پہلے تزکیہ کی طرف زور دیتے تھے اور پھر کتاب و حکمت کی تعلیم فرماتے ہم نے اس سے پہلے جو بیان کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ تعلیم موافق کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے تھی امامنا مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا برائے فہم کردن معنی قرآن وقتیکہ بیان کردہ شود نور ایمان بس است ۰ یعنی معنی قرآن سمجھنے کے لئے جس وقت بیان کیا جاوے نور ایمان بس ہے کا اشارہ اسی طرف ہے کہ تزکیۂ نفسانی کے بعد یہ کیفیت پیدا ہو سکتی ہے۔

امامنا علیہ السلام ابتداء میں تزکیہ کی طرف زور دیتے تھے اس کی حقیقت ذیل کی روایت سے منکشف ہوتی ہے۔ میاں ولی جی رحمۃ اللہ میاں عبد الفتح سے روایت کرتے ہیں کہ شہر نہر والہ میں بندگی میاں شاہ نظام رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں میراں علیہ السلام نے ایک کتاب دیکھی تو پوچھا کہ میاں نظام کیا پڑھ رہے ہو میاں نظام رض نے کہا میراں جی میں میزان پڑھ رہا ہوں میراں علیہ السلام نے ہاتھ سے کتاب لے لی اور فرمایا کہ مت پڑھو چند روز کے بعد جب ناگور گئے تو پھر میاں نظام رض نے اپنے ہاتھ میں کتاب لی تو امام علیہ السلام نے پھر بھی منع فرمایا۔ جب حضرت میراں علیہ السلام نے سفر خراساں کا ارادہ فرمایا تو اس زمانہ میں شاہ نظام کے دل سے پڑھنے کی ہوس منقطع ہو گئی تھی ایک مدت کے بعد حضرت میراں علیہ السلام نے خراساں میں میاں نظام سے فرمایا کہ اب علم حدیث پڑھئے یعنی جب کامل ہو گیا تو پڑھنا نقصان نہیں رکھتا ہے۔ پہلی روایت سے ظاہر ہے کہ امام علیہ السلام ضرورت دین کے موافق علم لابدی کو ضروری سمجھتے تھے اور اس روایت سے ظاہر ہے کہ علم لابدی سے زیادہ علوم دین کمال تزکیۂ نفسانی کے بعد مناسب سمجھتے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ آپ کی شفقت کاملہ نے خدا کے بندوں کو منازل عبادت و معرفت کو پہنچانے میں ایسے صاف و واضح راستے نکالے کہ اس سے زیادہ متصور نہیں ہو سکتے۔

علامہ شیخ تقی الدین حب الملک نے آداب متعلم کے تحت لکھا ہے کہ متعلم کا دل میل سے پاک ہونا چاہئے تاکہ قبول علم کی صلاحیت پیدا ہو اور لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے انہ قال الا ان فی الجسد مضغۃ اذا اصلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب (ترجمہ) فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسم میں ایک مضغہ ہے جب وہ صالح ہوتا ہے تو سارا جسد صالح ہوتا ہے اور جب وہ فاسد ہوتا ہے تو سارا جسد فاسد ہوتا ہے سنو! اور وہ دل ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں علم کثرت روایت سے نہیں ہے علم صرف ایک نور ہے جو دل میں ڈال دیا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ بنی الدین علی النظافۃ ولیست النظافۃ مرادۃ فی الثیاب بل فی القلب (ترجمہ) دین پاکیزگی پر مبنی ہے پاکیزگی سے مراد کپڑوں کی پاکیزگی نہیں ہے بلکہ دل کی پاکیزگی مراد ہے۔

امام غزالی مختصر الاحیاء میں اس حدیث کو نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ نجاست کپڑوں ہی سے مخصوص نہیں ہے انسان جب تک اپنے باطن کو خباثت سے پاک نہ کرے اس میں علم دین کے قبول کرنے کی قابلیت نہیں پیدا ہوتی اور نہ وہ نور علم سے منور ہو سکتا ہے۔

ایک محقق کا قول ہے ہم نے غیر اللہ کے لئے علم سیکھا اور علم صرف اللہ کے لئے آنا چاہا اس کی حقیقت ہم پر منکشف نہ ہوئی اور صرف الفاظ ہم کو مل گئے (از مختصر الاحیاء) پس امامنا مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو مظہر ثانی تھے دیں علیکم کے چاہتے تھے کہ تعلیم پائیں تاکہ علم کی حقیقت ان پر منکشف ہو جائے۔

امام غزالی تحریر فرماتے ہیں کہ

"اہم علم علم آخرت ہے اور اس سے مراد معاملہ اور مکاشفہ ہے معاملہ سے مکاشفہ حاصل ہوتا ہے اور مکاشفہ سے خدا کی معرفت پیدا ہوتی ہے اور ایک نور

ہوتا ہے جو عبادت اور مجاہدے سے پاک ہونے کی وجہ سے بندے کے دل میں ڈال دیا جاتا ہے اور یہی وہ چیز ہے جو ایمان ابوبکرؓ کے رتبہ تک پہونچتی ہے اور ابوبکرؓ کا ایمان ایک راز تھا جو آپ کے سینے میں ڈالا گیا تھا۔ روایات مذکورہ سے واضح ہے کہ امام علیہ السلام نے علم کو منع نہیں فرمایا بلکہ علم کو مستحکم طریقے سے سیکھنے کی تعلیم دی اس طرح کہ علم کو الفاظ و حدیث کی حد تک محدود نہ رکھو بلکہ کوشش کرو کہ علم کی حقیقت تم پر منکشف ہو جائے۔

یہ امر ظاہر ہے کہ طبیب کے لئے امراض کی نوعیت اور شدت و ضعف سے واقف ہونا ضروری ہے جس طبیب میں یہ صلاحیت نہ ہو وہ علاج کے قابل نہیں ہو سکتا جسمانی معالجین کے لئے امراض جسمانی کی واقفیت ضروری ہے تو امراض روحانی کے اطباء کے لئے نفوس انسانی کے امراض سے واقف ہونا ایک امر لابدی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو نفوس انسانی کے تزکیہ کے لئے مبعوث ہوئے تھے جن کی شہادت آیت "یزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ" سے مل رہی ہے۔ نفوس انسانی کی کیفیات سے واقف ہونا ایک ناقابل انکار حقیقت ہے اس طرح امام الآفاق مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے "یقفو اثری ولا یخطی" کی نسبت رکھتے ہیں نفوس انسانی کی کیفیات امراض سے آگاہ ہونا اور مرض کے موافق معالجہ کرنا ایک ناقابل تردید نظریہ ہے یہی واقفیت تھی جس کی بناء پر امامنا علیہ السلام نے اپنے بعض سائلین سے فرمایا کہ اگر تم اس سے پہلے علم پڑھے ہوتے تو میری مہدیت قبول نہ کرتے چنانچہ میاں وجی رحمۃ اللہ بندگی میاں شاہ نعمت رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ بندگی میاں شاہ نعمت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت میراں علیہ السلام کے حضور میں (بعض لوگوں نے) عرض کی کہ اگر حکم ہو تو ہم کچھ پڑھتے ہیں حضرت میراں علیہ السلام نے منع کر کے فرمایا کہ اگر تم لوگ اس سے پہلے کچھ پڑھے ہوتے تو بندہ کو مہدی نہ مانتے۔ اس روایت

سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت میراں علیہ السلام کا خطاب صرف ان لوگوں سے تھا جنھوں نے حضرت میراں علیہ السلام سے پڑھنے کی اجازت چاہی تھی حضرت میراں علیہ السلام نے ان کے نفس کی سابقہ حالت اور کیفیت سے انہیں مطلع فرمایا کہ تمہارے نفوس کی یہ حالت تھی کہ اگر تم اس سے پہلے پڑھے ہوتے تو بندہ کی مہدیت قبول نہ کرتے اور یہ بالکل ممکن ہے کہ کوئی شخص علم پڑھے اور اس کے حق میں نفع بخش نہ ہو لیکن اس سے نفس علم کی برائی ثابت نہیں ہوتی آفتاب کی ضیاء بذات خود ایک عمدہ چیز ہے لیکن آشوب چشم کی بیماری والا بری سمجھتا ہے ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اسی طرح علم بذات خود ایک عمدہ شئے ہے لیکن جن کے نفوس میں اسکی صلاحیت نہیں ان کے حق میں مضر ہے۔ غذا ایک اچھی چیز ہے "بقاء حیوۃ میں" اس سے بڑی مدد ملتی ہے۔ لیکن طبیب خاص بیماریوں میں بیمار کو غذا کی اجازت نہیں دیتا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ غذا تمام دنیا کے انسانوں کے لئے مضرت بخش ہے اسی طرح امام علیہ السلام نے جو روحانی طبیب تھے بعض سائلین کو علم سے روکا کہ علم پڑھنے کے بعد ان کا نفس اس بلا میں گرفتار ہو جاتا جس میں بعض اہل کتاب گرفتار ہو گئے یعنی وہ انبیاء سے انکار کرتے لگے تھے اللہ جل شانہ ان کی خبر دیتا ہے واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب لتبیننہ للناس ولا یکتمونہ فنبذوہ وراء ظھورھم ای محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کو یاد کرو کہ اللہ نے ان لوگوں کا میثاق لیا جو کتاب دیئے گئے تاکہ اس کو لوگوں کے لئے بیان کریں اور نہ چھپا دیں پس انہوں نے اس کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے ڈال دیا

علم الکتاب نہایت عمدہ چیز تھی لیکن ان کے نفوس میں صلاحیت نہ تھی بجائے اس کے کہ اس سے فائدہ اٹھاتے اپنے آپ کو نقصان پہونچایا یعنی انبیاء علیہم السلام سے انکار کیا۔

جب علم الکتاب بعض نفوس کے لئے نفع بخش نہ ہوا اور مہدی علیہ السلام نے بعض نفوس کو علم پڑھنے سے منع کیا تو اس کی مثال بعینہ ایک طبیب کی ہے جو کسی خاص بیمار کو ایسی غذا سے روکتا ہے جو دوسروں کی صحت اور توانائی میں مدد دیتی ہے اور زندگی کی ممد و معاون ہے اور اس بیمار کے لئے نہایت مضر ہے۔ امام علیہ السلام چاہتے تھے کہ ذکر کے مصقلہ سے پہلے ان کے نفس کا تزکیہ ہو جائے اور اس کے بعد علوم لابدی سے زیادہ علوم دین حاصل کریں نقل شریف کے الفاظ یہ ہیں ۔

از بندگی میاں نعمت رضی اللہ عنہ نقلست کہ پیش حضرت میراں علیہ السلام عرض کردند کہ اگر حکم باشد چیزے بخوانیم حضرت میراں علیہ السلام منع کردہ فرمودند کہ اگر شما پیش ازیں چیزے علم خواندہ بودید ایں بندہ را مہدی کردہ قبول نہ کردید۔

روایت میں شما کا لفظ بتا رہا ہے کہ مخاطب مخصوص لوگ ہیں خواندہ بودید صیغۂ ماضی بعید سے زمانہ گزشتہ کی حالت کا پتہ چل رہا ہے چیزے بخوانیم صیغۂ جمع متکلم سے ظاہر ہے کہ سائلین ایک سے زیادہ تھے امام علیہ السلام کے ارشاد کا منشا یہ ہے کہ "اے پوچھنے والو تمہارے نفوس کو تزکیہ کی ضرورت ہے "نور علم کو قبول کرنے کی صلاحیت تم میں نہ پہلے تھی نہ اس وقت ہے تم ذکر الٰہی سے نفس کا مصقلہ کرتے جاؤ بغیر اس تزکیہ کے اگر تم پہلے علم پڑھتے تو بلائے انکار میں گرفتار ہوتے اور اب بھی جبکہ صیقل کی تکمیل نہیں ہوئی ہے

اسی کا اندیشہ ہے کہ علم لابدی کی روایت سے اغماض کرنا اور خصوصیت خطاب کو ملحوظ نہ رکھ کر یہ خیال کرنا کہ میراں علیہ السلام علم پڑھنے کو مطلقاً منع کرتے تھے صحیح نہیں ہے کہ علم لابدی کے ساتھ ساتھ امام علیہ السلام تزکیہ نفسانی کو بذریعہ مصقلہ ذکر اللہ کے علم زاید از لابدی پر مقدم سمجھتے تھے۔ اس کی تائید روایات ذیل سے ہوتی ہے۔

منقول ہے کہ ایک دن میراں سید محمود ثانی مہدی رضی اللہ عنہ کتاب تمہیدہ پڑھ رہے تھے حضرت میراں علیہ السلام نے پوچھا کہ بھائی کیا پڑھ رہے ہو میراں سید محمود نے عرض کی کہ تمہید پڑھ رہا ہوں حضرت میراں علیہ السلام نے فرمایا چھوڑو ذکر کرو حتی کہ ایک ایسی حالت ظاہر ہو جائے کہ اس کو ختم کر سکو۔

(از انصاف نامہ)

نیز منقول ہے کہ میراں سید محمود رض جب کبھی کسی مصروفیت اور کام کے لئے جاتے تھے تو ایک گلی میں میاں ابوبکر اور میاں سلام اللہ رضی اللہ عنہما دونوں علم کی کوشش کرتے تھے میراں سید محمود رضی اللہ عنہ نے میراں علیہ السلام سے عرض کی کہ یہ لوگ اس طرح کہتے ہیں حضرت میراں علیہ السلام نے فرمایا تم ان کی گلی میں مت جاؤ خدائے تعالیٰ کی یاد میں رہو حتی کہ باطن کھل جائے۔ (از انصاف نامہ)

پہلی روایت سے واضح ہے کہ امام علیہ السلام نے میراں سید محمود کو کتاب تمہید پڑھنے سے روکا اور یہ وہ زمانہ تھا کہ آپ کے تزکیہ نفسانی کی طرف مصروف تھے لیکن جب تزکیہ ہو چکا اور ایک بار میراں سید محمود رضی اللہ عنہ تمہید پڑھ رہے تھے تو میراں علیہ السلام نے ارشاد فرمایا وقد ورد فی الاخبار فضل العالم علی العابد کفضلی علی امتی۔ الخ

احادیث میں آیا ہے کہ عالم کی فضیلت عابد پر مانند میری فضیلت کے ہے اُمت پر۔ (الخ) (از انصاف نامہ)

میراں سید محمود رض کو تمہید پڑھتے ہوئے دیکھ کر عالم کی عابد پر فضیلت کی حدیث پڑھنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ امام علیہ السلام خوش ہوئے

الغرض آپ کا منع کرنا اور اجازت دینا دونوں فعل حکیمانہ تھے جیسا کہ طبیب حاذق بیمار کو خرابی معدہ کی وجہ سے غذا سے روکتا ہے اور دوا استعمال کرانے کے بعد جب اس کے معدے میں ہضم کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے تو کھانے کی اجازت دیتا ہے اور اس کو کھاتے ہوئے دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ میری محنت ٹھکانے لگی۔ یہ تعلیم موافق یزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ کے تھی چنانچہ امام علیہ السلام فرماتے ہیں "مذہب ما کتاب اللہ و اتباع رسول اللہ"

بادشاہ اپنے ملک میں قانون اس لئے نافذ کرتا ہے کہ لوگ اس قانون کے موافق عمل کر کے امن و امان کی زندگی بسر کریں اور اس کے حکم کی تعمیل کر کے اس کی خوشنودی حاصل کریں قانون کا پڑھنا اس لئے ضروری ہے کہ اس قانون کو پڑھنے کے بغیر احکام مندرجہ قانون سے واقفیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ پس اگر قانون میں یہ احکام ہوں کہ رعایا پر لازم ہے کہ ہر سال کے فلاں مہینے میں مکانات کا ٹیکس ادا کر دیں اب وہ مہینہ آ گیا جس میں ٹیکس داخل کرنا ضروری ہے ۔۔ لیکن ایک شخص بجائے اس کے ٹیکس ادا کرے اس قانون کو بار بار پڑھتا جاتا ہے اور ٹیکس ادا نہیں کرتا کیا کوئی عقلمند اس بات کو تسلیم کرے گا کہ اس کا یہ عمل بادشاہ کے پاس قابل استحسان ہے خدا کے کلام اور دنیاوی قانون میں اگرچہ عظمت کے لحاظ سے فرق ہے لیکن قرآن شریف خدا کی بھیجی ہوئی کتاب ہونے کی حیثیت سے بھی ایک قانون ضرور ہے اور اس میں احکام ہیں جن کو بجا لانا بندوں کے فرائض میں داخل کیا گیا ہے۔ پس اگر کوئی شخص پانچوں نمازوں کے وقت بجائے اس کے بامتثال احکام الٰہی نماز ادا کرے نماز ادا کر کے اقیموا الصلوٰۃ کی آیت ایک نہیں ہزار بار بھی پڑھے تو فریضۂ صلوٰۃ کی ادائی سے سبکدوش نہیں ہو سکتا اور اگر کوئی شخص زکوٰۃ

واٰتوا الزکوٰۃ لاکھ بار بھی پڑھے تو فریضہ ادا کرنے کے بجائے زکوٰۃ ادا نہ کرے کے زکوٰۃ کی ادائی سے فارغ نہیں ہو سکتا۔ قانون کو پڑھنا الگ چیز ہے اور اس پر عمل کرنا الگ یہی فلسفہ تھا جس کو امام علیہ السلام کے وزیر بندگی سید خوندمیر رضی اللہ عنہ نے سمجھایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ اگر قرآن کو یتلونہ حق تلاوتہ کے طور پر بھی پڑھیں جب بھی پردہ نور ہوتا ہے درمیان بندے اور خدا کے اور یاد خدا سے وہ پردہ پھٹ جاتا ہے یعنی قرآن شریف کی کما حقہ تلاوت کی جائے اور ذکر اللہ کی بجا آوری نہ ہو تو اگرچہ کہ تلاوت قرآن نور ہے لیکن وہ نور بندہ اور خدا کے درمیان ایک پردۂ نور کی حیثیت سے باقی رہ جاتا ہے اور ذکر اللہ سے وہ پردۂ نور پھٹ کر لقاء رب کا شرف حاصل ہوتا ہے یتلونہ حق تلاوتہ کا معنی یقرؤنہ انزل کے ہیں یعنی قرآن کو پڑھتے ہیں جس طرح کہ وہ اتارا گیا ہے۔ (از تفسیر جلالین)

تمام آیت یہ ہے الذین اٰتیناھم الکتاب یتلونہ حق تلاوتہ اولٰئک یؤمنون بہ (ترجمہ) وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ حق اس کی تلاوت کا ہے وہ لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت عبداللہ ابن سلام اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی اور کتاب سے مراد توارت ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت اصحاب سفینہ کی شان میں نازل ہوئی ہے جو نجاشی کے ملازمین میں سے تھے اور جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ دیار حبشہ سے مدینہ آئے تھے۔ اور کتاب سے مراد انجیل ہے ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت مسلمانوں کی شان میں نازل ہوئی اور کتاب سے مراد قرآن شریف ہے۔ ذکر کی فضیلت میں اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے۔ اتل ما اوحی الیک واقم الصلوٰۃ ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر۔ پارہ سورہ عنکبوت (ترجمہ) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن سے جو وحی تم پر کی جائے اس کو

پڑھو اور نماز کو قائم کرو تحقیق نماز روکتی ہے اس کام سے جو عقل کے پاس زشت ہے اور اس کام سے جو شرعاً ممنوع ہے اور البتہ ذکر اللہ زیادہ بزرگ ہے۔ ملا حسین کاشفی نے اس آیت کی تفسیر میں ذوالنون مصری قدس سرہٗ کا قول نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کا ذکر زیادہ بزرگ ہے اس وجہ سے کہ تو اس کو یاد نہیں کرتا مگر بعد اس کے کہ وہ تجھے یاد کرتا ہے تفسیر جلالین میں ولذکر اللہ اکبر کی تفسیر میں لکھا ہے ولذکر اللہ اکبر من غیرہ من الطاعات یعنے اللہ کا ذکر× سے مراد نماز ہے صاحب مدارک نے لذکر اللہ کی آیت کے تحت یہ لکھا ہے۔

قال سلمان ذکر اللہ اکبر من کل شئی وافضل فقد قال علیہ السلام الا انبئکم بخیر اعمالکم وازکاھا عند ملیکم وارفعھا فی درجاتکم وخیر من اعطاء الذھب والفضۃ وان تلقوا عدوکم فتضربوا اعناقھم ویضربوا اعناقکم قالوا وما ذاک یا رسول اللہ قال ذکر اللہ وسئل ای الاعمال افضل قال ان تفارق الدنیا ولسانک رطب بذکر اللہ۔

(ترجمہ) سلمان نے کہا اللہ کا ذکر ہر چیز سے زیادہ بزرگ اور فضیلت والا ہے پس تحقیق نبی ؐ نے فرمایا کیا نہ خبر دوں میں تمہیں تمہارے اعمال سے سب سے بہتر عمل کی اور ایسے عمل کی جو تمہارے درجوں میں سب سے زیادہ بلند کرنے والا ہے اور ایسے عمل کی جو سونا اور چاندی دینے سے بہتر ہے اور بہتر ہے اس سے کہ تم اپنے دشمنوں سے ملو اور ان کی گردن مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں صحابہ نے عرض کیا وہ کیا عمل ہے فرمایا وہ اللہ کا ذکر ہے اور آپ سے سوال کیا گیا کہ اعمال میں سب سے زیادہ افضل کون عمل ہے فرمایا یہ کہ تو دنیا سے جدا ہو درحالیکہ تیری زبان اللہ کے ذکر سے رہے۔

× دوسری طاعتوں سے زیادہ بڑا ہے صاحب کشاف بیضاوی اور صاحب مدارک کے پاس ذکر

عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انبئکم بخیر اعمالکم وازکاها عند ملیککم وارفعها فی درجاتکم وخیر لکم من انفاق الذهب والورق وخیر لکم من ان تلقوا عدوکم فتضربوا اعناقهم ویضربوا اعناقکم قالوا بلی قال ذکر اللہ رواه مالک واحمد والترمذی وابن ماجه الا ان مالکا وقفه علی ابی الدرداء ؛

(ترجمہ) ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا خبر دوں میں تمہیں اس عمل کی جو تمہارے بادشاہ یعنے اللہ تعالیٰ کے پاس تمہارے تمام اعمال سے بہتر اور تمہارے تمام اعمال سے زیادہ پاک ہے اور تمہارے درجوں میں سب سے زیادہ بلند کرنے والا اور تمہارے لئے چاندی سونا خرچ کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ اور تمہارے لئے اس سے بھی زیادہ بہتر ہے کہ تم اپنے دشمنوں سے ملو اور تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں صحابہ رضؓ نے عرض کی کیوں نہیں تو فرمایا وہ اللہ کا ذکر ہے۔

عن عبد اللہ ابن بسر قال جاء اعرابی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ای الناس خیر فقال طوبی لمن طال عمره وحسن عمله قال یا رسول اللہ ای الاعمال افضل قال ان تفارق الدنیا ولسانک رطب من ذکر اللہ رواه احمد والترمذی۔ (از مشکوٰۃ شریف)

(ترجمہ) عبداللہ ابن بسر سے مروی ہے کہا ایک اعرابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کونسا آدمی بہتر ہے فرمایا خوشخبری ہو اس کے لئے اس کی عمر دراز ہوئی اور عمل اچھا ہو کہا یا رسول اللہ کونسا عمل افضل ہے فرمایا یہ کہ تو دنیا سے جدا ہوئے درحالیکہ تیری زبان ذکر سے تر ہو۔

روایت کی اس کی احمد اور ترمذی رحمہما اللہ نے آیت قرآنی سے ذکر اللہ کا اکبر ہونا منصوص ہے اور احادیث شریفہ سے جو حضرت ابوالدرداء اور عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں ثابت ہے کہ افضل اور بہتر تمام اعمال سے ذکر اللہ ہے تلاوت قرآن شریف بھی منجملہ اعمال کے ہے جب تمام اعمال سے ذکر اللہ کا افضل ہونا ثابت ہے تو تلاوت قرآن شریف سے بھی افضل ہونا ثابت ہوگا۔ پس بندگی میاں سید خوندمیر رضؓ کا ارشاد موافق کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ کے ہوا۔

اب رہی وہ حدیث شریف جس کی روایت ترمذی، دارمی اور بیہقی نے شعب الایمان میں کی ہے اور مشکوٰۃ میں بھی ذکر کی گئی ہے جس سے اس امر کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ تلاوت قرآن ذکر اللہ سے بھی افضل ہے اس کی روایت کے متعلق ترمذی نے کہا ہے ھذا حدیث حسن غریب یعنی یہ حدیث حسن اور غریب ہے وہ حدیث یہ ہے۔

عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الرب تبارک وتعالیٰ من شغله القرآن عن ذکری ومسئلتی اعطیته افضل ما اعطی السائلین وفضل کلام اللہ علی سائر الکلام کفضل اللہ علی خلقه ھذا حدیث حسن غریب

(ترجمہ) روایت ہے ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ کے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہتا ہے رب تبارک وتعالیٰ وہ شخص جس کو پھیر دیوے قرآن میرے ذکر اور میرے سوال سے تو دیتا ہوں میں اس کو افضل اس سے جو دیتا ہوں میں سائلین کو اور فضل اللہ کے کلام کا باقی کلاموں پر مانند اللہ کے فضل کے ہے اس کی مخلوق پر۔

صاحب مفاتیح نے اس حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جو شخص قراءت قرآن میں مشغول ہو اور ذکر و دعا کی طرف دھیان نہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کے مقصود و مراد کو اس سے زیادہ دے گا جو اپنی خاص حاجتیں طلب کرنے والوں کو دیتا ہے۔

ترمذی کسی حدیث کو حسن اور غریب کہتے ہیں تو اس کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں بعض یہ کہتے ہیں کہ جہاں ترمذی نے لفظ حسن اور غریب دونوں کا استعمال کیا ہے وہاں حسن سے مراد وہ حدیث نہیں ہے جس میں تعدد طرق کا اعتبار کیا گیا ہو اور بعض نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد اختلاف طرق کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ بعض طرق میں غریب ہے اور بعض میں حسن۔ اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ حسن وغریب کی واؤ او کے معنی میں ہے یعنی ترمذی کو شک اس معنی میں ہے کہ وہ حدیث حسن ہے یا غریب ہے یقینی طور پر ان کو اس کی معرفت نہیں ہے اور علماء نے یہ کہا ہے کہ حسن سے مراد اس کا معنی اصطلاحی نہیں ہے بلکہ معنوی لغوی ہے یعنی ایسی حدیث ہے جس کی طرف میلان طبیعت کا ہوتا ہے علماء اصول نے اس معنی کو بہت بعید قرار دیا ہے۔

حدیث حسن کے راوی اگر ایک ہیں تو اس کو غریب کہتے ہیں۔

اس حدیث میں تلاوت قرآن افضل الذکر ہونے پر نص نہیں ہے البتہ حدیث میں یہ مذکور ہے کہ ذکر نہ کرکے تلاوتِ قرآن کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اس سے افضل چیز دیتا ہے جو سائلین کو دیتا ہے ذکر کو بھی قسم سوال و دعا میں داخل کرنے کے بعد یہ مطلب نکالنا پڑے گا کہ ذاکر سے زیادہ اللہ تعالیٰ تلاوت کرنے والے کو جزاء عطا فرماتا ہے جس عمل کی جزاء زیادہ ملتی ہے وہ عمل افضل ہوتا ہے اس لئے تلاوت قرآن افضل ہوگی ذکر اللہ سے اس سے پہلے جو حدیثیں مذکور ہوئیں اُن میں ذکر افضل الاعمال اور خیر الاعمال ہونے کی تصریح لفظوں کے ساتھ ہوئی ہے اور ذکر کا افضل الاعمال ہونا ایک سے زیادہ راویوں سے ثابت ہے علاوہ بریں ذکر اللہ کا اکبر ہونا نقِ قرآنی سے ثابت ہے اس کے خلاف میں حدیث

غریب سے استناد درست نہیں ہے لہٰذا ذکر اللہ افضل الاعمال ہونا صحیح ہے قراۃ القرآن فی الصلوٰۃ افضل من قراءۃ القرآن فی غیر الصلوٰۃ کی حدیث جسے بیہقی نے شعب الایمان میں ذکر فرمایا ہے یہ ہے ۔

عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قراۃ القرآن فی الصلوٰۃ افضل من قراۃ القرآن فی غیر الصلوٰۃ وقراۃ القرآن فی غیر الصلوٰۃ افضل من التسبیح والتکبیر والتسبیح افضل من الصدقۃ والصدقۃ افضل من الصوم والصوم جنۃ من النار۔

اس حدیث سے تسبیح و تکبیر سے قرآن شریف کی تلاوت کا افضل ہونا ثابت ہوتا ہے تسبیح کا معنی سبحان اللہ کہنا اور تکبیر کا معنی اللہ اکبر کہنا ہے لیکن ذکر اللہ جو معرض بحث میں ہے وہ ذکر لا الہ الا اللہ کا ہے۔ جسے افضل الذکر کہتے ہیں حدیث مذکور سے تسبیح و تکبیر پر تلاوت قرآن کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ وہ بھی ذکر ہے لیکن افضل الذکر پر تلاوت قرآن شریف کی فضیلت حدیث مذکور سے ثابت نہیں ہوتی ۔ لا الہ الا اللہ کا افضل الذکر ہونا حدیث ذیل سے ثابت ہے

حدثنا عبد الرحمٰن بن ابراھیم الدمشقی حدثنا موسیٰ بن ابراھیم بن کثیر ابن بشیر ابن الفاکہ قال سمعت طلحۃ بن خراش ابن عم جابر سمعت جابر بن عبد اللہ یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول افضل الذکر لا الہ الا اللہ و افضل الدعاء الحمد للہ (ازابن ماجہ باب فضل الحامدین ص ۲۷۸)

(ترجمہ) حدیث بیان کیا ہم سے عبدالرحمٰن بن ابراہیم دمشقی نے اس نے کہا حدیث بیان کیا ہم سے موسیٰ بن ابراہیم بن کثیر بن بشیر بن فاکہ نے اس نے کہا سنا میں نے طلحہ بن خراش جابر کے ابن عم سے انہوں نے کہا سنا میں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ سے کہتے تھے سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے افضل الذکر لا الہ الا اللہ اور افضل الدعا الحمد للہ ہے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ذکر اور دعا میں فرق ہے ورنہ افضل الذکر کو علیحدہ بیان کرنے اور افضل الدعاء کو علیحدہ ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ واضح ہو کہ یتلونہ حق تلاوتہ کی نقل کو ہم نے دفع دخل کے طور پر بموجب قول داخل کے موقوف بتایا ہے ورنہ درحقیقت وہ روایت مرفوع ہے۔ ملاحظہ ہو باب دہم انصاف نامہ

اس کے بعد ہم میراں علیہ السلام کی اس نقل شریف پر ذرا تفصیل کے ساتھ تبصرہ کرتے ہیں جس میں معانی قرآن سمجھنے کے لئے نور ایمان کافی ہونے کا ذکر ہے۔ نقل شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

"حضرت میراں علیہ السلام فرمودند کہ برائے فہم کردن معانی قرآن وقتیکہ بیان کردہ شود نور ایمان بس است (از انصاف نامہ باب دہم)

اس نقل شریف سے واضح ہے کہ حضرت امام علیہ السلام نے صرف یہ ارشاد نہ فرمایا کہ معانی قرآن سمجھنے کے لئے نور ایمان بس ہے" بلکہ اس کے ساتھ یہ قید بھی لگائی ہے کہ جس وقت وہ بیان کئے جائیں اس لئے نقل مذکور سے حسب ذیل امور مستنبط ہوتے ہیں۔

اول یہ کہ ایک مبین (بیان کرنے والا) قرآن شریف کے معانی بیان کرے۔

دوم یہ کہ ایک سننے والا ہو اور اس میں نور ایمان ہو۔

سوم یہ کہ بیان کرنے والا معانی قرآن بیان کرے اور سننے والے میں نور ایمان ہے تو اس میں نور ایمان کا ہونا بیان کئے ہوئے معانی کے سمجھنے کے لئے کافی ہے۔

امام علیہ السلام کا یہ ارشاد قولہ تعالیٰ ھدی للمتقین کے مطلب سے بالکل قریب ہے صاحب تقویٰ قرآن شریف کی ہدایتوں سے فائدہ اٹھاتا ہے اور صاحب ایمان معانی قرآن اخذ کر لیتا ہے جب وہ بیان کئے جائیں۔

نقل شریف کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر بے علم مومن قرآن کا مطلب سمجھ لیتا ہے چاہے کوئی معلم اُسے سمجھائے کہ نہ سمجھائے۔

امام علیہ السلام کی نقل علم لابدی می باید تا نماز و روزہ و مانند این افعال در دین رسول علیہ السلام درست شود"۔

سے ظاہر ہے کہ امام علیہ السلام علم لابدی یعنی علم نماز علم روزہ وغیرہ علم لابدی کو ہر مسلمان مرد اور عورت کے لئے واجب سمجھتے تھے نقل شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

و نیز نقل است از بندگی میاں لاڑ شہ رضی اللہ عنہ حضرت میراں علیہ السلام نیز فرمودہ اند کہ علم لابدی می باید تا نماز و روزہ و مانند این افعال در دین رسول علیہ السلام درست شود (از انصاف نامہ باب دہم)

(ترجمہ) میاں ولی جی رح بندگی میاں لاڑ شہ سے اور بندگی میاں لاڑ شہ میراں علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ نیز میراں علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ علم لابدی چاہیئے تاکہ نماز، روزہ، اور ان افعال کے مانند افعال دین رسول اللہ میں درست ہوئیں۔

نقل شریف میں علم لابدی باید کے الفاظ اس امر میں منصوص ہیں کہ علم لابدی ضروری ہے کیونکہ باید کا صیغہ معنی وجوب پر دلالت کرتا ہے نیز علم لابدی باید مطلق

واقع ہوا ہے اس میں مرد یا زن کی قید نہیں ہے اصولاً جو حکم مطلق ہو بحالت اطلاق رہے گا۔ اس لئے باید کا صیغہ زن و مرد دونوں کو شامل ہوگا اور لفظ ناسے جو غایت ظاہر کی گئی ہے وہ نماز و روزہ و مانند ایں افعال در دین رسول علیہ السلام ہے اور یہ امر ظاہر ہے کہ نماز و روزہ زن و مرد سب پر فرض ہے اس لئے اس کا علم بھی سب فرض ہوگا "مانند ایں افعال" کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ علم لابدی صرف نماز و روزہ کے علم میں محصور نہیں ہے بلکہ نماز و روزہ جیسے جتنے بھی افعال ہوں گے جن کا بجالانا ہر مسلمان مرد اور عورت کے لئے واجب ہے ان سب افعال کا علم علم لابدی کے تحت آجائے گا۔ "درست شود" کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ افعال کی درستی ان کے علم پر موقوف ہے پس یہ نقل شریف حدیث طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ اور العلم بلا عمل وبال والعمل بلا علم ضلال کے بموجب ہر زن و مرد کو علم و عمل کی ہدایت فرما رہی ہے۔

حدیث طلب العلم فریضۃ کے تحت مختصر الاحیاء میں امام غزالی رح نے جو ترتیب بتائی ہے وہ یہاں وضوح کی غرض سے ذکر کی جاتی ہے وھو ھذا بلوغ و اسلام کے بعد ہر دو کلمۂ شہادت کا جاننا اور ان کا معنی سمجھنا واجب ہے کلمات مذکورہ کے احکام برہان کے ساتھ جاننا واجب نہیں ہے بلکہ بغیر ریب اور شک کے ان پر اعتقاد رکھنا کافی ہے اگرچہ تقلیداً ہو عرب کے اجلاف لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی کرتے تھے پھر اس کے بعد اللہ تعالی کے اُن اوامر کی تعلیم پائے جو اس پر واجب ہوتے جاتے ہیں۔ مثلاً نماز کی تعلیم پائے جب اس پر واجب ہو جائے یا اس کے وجوب سے پہلے مستعد ہو جائے روزوں کی بھی یہی حالت ہے اور بعد اسلام ختم سال پر زکوٰۃ کا علم واجب ہو جاتا ہے۔ جبکہ اتنی مقدار کا مالک ہو جائے کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے اور یہ علم بھی بقدر حاجت واجب ہوتا ہے۔ اور وجوب حج پر متنبہ ہو جائے علم حج کا فوراً سیکھنا واجب نہیں ہے جیسا کہ حج کا فوراً ادا کرنا واجب نہیں ہے اور بقدر ضرورت اس امر کا سیکھنا بھی واجب

ہے کہ کن معاصی کا ترک کرنا واجب ہے اگر دل میں اپنے معتقدات کے متعلق شک گزرے تو اس قدر تعلیم پانا واجب ہے کہ دل سے شک نکل جائے اور اس علم کا سیکھنا واجب ہے جو مہلکات سے نجات بخشے اس کے ماسوا علوم فرض کفایہ ہیں۔

مذکورہ نقل شریف سے واضح ہے کہ امام علیہ السلام نے علم لابدی کو واجب قرار دیا اور تزکیۂ نفسانی سے پہلے زاید علم لابدی علوم کی درخواست کرنے والوں کو غیر ضروری علم کی تحصیل سے اس لئے منع فرمایا کہ اداء فرض ذکر اللہ سے محروم نہ رہیں جس سے ادا فرضیت کے علاوہ تزکیۂ نفسانی بھی مقصود تھا۔

یہی وجہ تھی کہ بعض حضرات نے میراں علیہ السلام سے قیلولہ کے وقت کچھ پڑھنے کی اجازت چاہی تو فرمایا اس وقت کبھی نہ پڑھو سو رہو، نقل شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

"نقل است حضرت میراں علیہ السلام را از برادران کسی پرسیدند میراں جیو اگر رضا باشد وقت قیلولہ چیزے بخوانیم حضرت میراں علیہ السلام فرمودند ایں وقت ہم مخوانید بخسپید"

(ترجمہ) منقول ہے حضرت میراں علیہ السلام سے برادروں میں سے بعض نے پوچھا کہ میراں جیو اگر اجازت ہو تو قیلولہ کے وقت ہم کچھ پڑھ لیتے ہیں تو حضرت میراں علیہ السلام نے فرمایا اس وقت بھی نہ پڑھو سو رہو۔ (از انصاف نامہ)

نقل شریف میں "وقت قیلولہ چیزے بخوانیم" کے الفاظ ہیں جن میں چیزے مجمل واقع ہوا ہے اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ استدعا کرنے والے اصحاب نے کس نوعیت کی چیز پڑھنے کی درخواست کی تھی حضرت امام علیہ السلام کے منع کرنے کا قرینہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایک غیر ضروری اور غیر لابدی چیز کے پڑھنے کی درخواست تھی قیلولہ سنت ہے سنت کو ترک کر کے ایک امر غیر ضروری میں مشغول ہونا یقیناً ناجائز تھا پس امام علیہ السلام نے ایک امر غیر ضروری کو ترک کرنے کی ہدایت فرمائی تو یہ ہدایت لا یترک سنۃ الا لاتمامھا کے تحت تھی۔ اس نقل شریف سے ہرگز یہ ثابت نہیں

ہوتا کہ امام علیہ السلام نے مطلقاً علم سیکھنے کو منع فرمایا۔ اگر یہ کہا جائے کہ پڑھنے کی ہدایت ہی نہیں تھی تو پھر علم لابدی کے حصول کا موقع کب ملتا تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ علم لابدی کے حصول کی اجازت تھی چنانچہ سابقہ روایات سے اس کی توضیح ہو چکی ہے۔ حصول علم لابدی کے لئے اس کی ضرورت نہیں تھی اور نہ ہے کہ صرف و نحو کی کتابیں پڑھ کر عربی فقہ کی کتابوں سے علم حاصل کیا جائے بلکہ علم بمعنی دانستن جس طرح کتابوں کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے معلّم کی زبانی تفہیم سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر اصحاب امّی تھے آیت شریفہ ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم آیاتہٖ اس امر کی شاہد ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُمیوں میں مبعوث ہوئے تھے۔ امیوں ہی کو آپ نے تعلیم دی جس طرح نبی علیہ السلام کے اصحاب آپ سے تعلیم کتاب حاصل کرتے تھے اسی طرح امام مہدی علیہ السلام کے اصحاب امام علیہ السلام سے تعلیم حاصل کرتے تھے اور اکثر اصحاب جو عالم تھے اپنے معلومات کی اصلاح بارگاہ امامت سے کر لیتے تھے یا جو اصحاب عالم ہوتے تھے وہ دوسروں کو علوم لابدی سے واقف کر دیتے تھے چنانچہ میاں ولی رحمۃ اللہ علیہ بندگی میاں ملک جیو رض سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ایک خراسانی نے بندگی میراں علیہ السلام سے کہا کہ میراں کے بعض یار نماز ادا کرنا نہیں جانتے ہیں تو میراں ع نے زجر کر کے فرمایا کہ اتنی ریش کہاں دراز کی اور نماز ادا کرنا بھی نہیں جانتے ہو فرمایا کہ ایک دوسرے کو سکھایا کرو (از انصاف نامہ دہم)

اس نقل شریف سے واضح ہے کہ دائرہ تصدیق میں داخل ہونے والے بعض ایسے بھی اصحاب ہوتے تھے جنھیں نماز گزارنے کے طریقے معلوم نہیں ہوتے تھے اس لئے آپ نے حکم دے رکھا تھا کہ ناواقفوں کو تعلیم دیا کریں۔

لفظ اُمّی مرکب ہے لفظ اُم اور یاء نسبت سے صاحب تفسیر کشاف آیۃ مذکورہ کے تحت لکھتے ہیں بعث رجلا امیا فی قوم امیین یعنی اللہ تعالیٰ نے اُمّی مرد کو اُمّی قوم میں مبعوث فرمایا اور لکھا ہے کہ آمی کا لفظ اُمّت

العرب کی طرف مبعوث ہے اُمّت العرب یعنی گروہ عرب نہ لکھتے تھے نہ پڑھتے تھے اور بعض دیگر تفاسیر میں بھی اُمّی کا معنی یہی بتایا گیا ہے۔ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عرب اسی معنی میں امی تھے صاحب تفسیر خازن نے امّی کی تعریف میں ایک قول یہ نقل فرمایا۔ وقیل الامی ھو الذی علی ما خلق علیہ کانہ منسوب الی امہ یعنی اُمّی اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی پیدائشی حالت پر ہو گویا وہ اپنی ماں کی طرف منسوب ہے بچہ جب اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے تو فطرۃ پر ہوتا ہے اور حسد۔ عناد۔ بغض۔ کبر۔ کذب۔ افترا وغیرہ ذمائم نفسیاتی سے جو رفتہ رفتہ اس میں پیدا ہوتے جاتے ہیں پاک ہوتا ہے یہ حدیث اس کی شاہد ہے۔ کل مولود یولد علی الفطرۃ و ابواہ وانہ و نصرانہ و یمجسانہ یعنی ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے اس کے ماں باپ اس کو یہودی نصرانی اور مجوسی بناتے ہیں پس بلحاظ معنی مذکور جو انسان ذمائم نفسانی سے پاک ہو وہ بھی اُمّی ہوتا ہے ہمارے نبی کریم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس معنی میں اُمّی تھے آپ کے حالات طیبہ سے واضح ہے کہ بدو ولادت سے آخر عمر شریف تک آپ کی زندگی تمام برائیوں سے پاک رہی آپ امین کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ حضرت امام علیہ السلام سے جو روایت مروی ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اُمّی کا دل نہایت پاک و صاف ہوتا ہے دل کے پاک ہونے کا معنی یہی ہے کہ وہ انسانی ذمائم اخلاق اور ہواجس نفسانی سے پاک ہوتا ہے۔

"نقل است کہ حضرت میراں علیہ السلام فرمودند ہر کہ اُمّی ہست تختۂ دل او صاف است بر آں ہیچ نوشتہ است او ہر چہ بشنود بر دل او بنشیند"

منقول ہے کہ حضرت میراں علیہ السلام نے فرمایا جو شخص اُمّی ہے اس کے دل کا تختہ صاف ہے اس پر کچھ بھی لکھا ہوا نہیں ہے وہ جو کچھ سنتا ہے اس کے دل پر بیٹھ جاتا ہے۔ (از انصاف نامہ)

تختۂ دل صاف ہونے سے مراد معاصی یا نقوش اکتسابی سے پاک ہونا ہے تختۂ دل پر کچھ بھی لکھا ہوا نہ ہونے سے مراد کوئی نقش اس پر منقوش نہ ہونا ہے جو کچھ بھی سنتا ہے اس کے دل پر بیٹھ جاتا ہے سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ بھی علم دین سنتا ہے اس کا دل اس علم کے نور کو قبول کر لیتا ہے یہی وجہ تھی کہ جب امام شافعی رحمۃ اللہ نے اپنے استاد حضرت وکیع رحمۃ اللہ سے اپنے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو فرمایا کہ تم گناہوں کو چھوڑ دو تاکہ تمہارے قلب میں نور علم کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے امام شافعی رحؒ نے اپنے ان دو بیتوں میں اپنے اس واقعہ کی خبر دی ہے۔

شکوت الی وکیع سُوءَ حفظی
فاوصانی الی ترک المعاصی
فان العلم نور من اللہ
ولنور اللہ لا یعطی العاصی

(ترجمہ) میں نے اپنے استاد وکیع سے اپنے حافظہ کی برائی کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے گناہوں کو چھوڑ دینے کی وصیت کی کیونکہ علم اللہ کا نور ہے اور اللہ کا نور گناہ گار کو نہیں دیا جاتا۔

جس کا تختۂ دل گناہوں کے زنگ یا نقوش اکتسابی سے پاک ہو اسی کو اللہ تعالیٰ اگر چاہتا ہے تو اپنے فضل سے علم لدنی عطا فرماتا ہے۔

نقل ست حضرت میراں علیہ السلام فرمودند ہر کہ امی باشد اُو را از جانب حق تعالیٰ علم لدنی عطا شود یا اور ا جعلی اُمی کنند آنگاہ از جانب حق تعالیٰ علم لدنی عطا شود"

منقول ہے حضرت میراں علیہ السلام نے فرمایا جو شخص اُمّی ہوتا ہے اس کو حق تعالیٰ کی جانب سے علم لدنی عطا ہوتا ہے اور یا اس کو جعلی اُمّی بناتا ہے اس وقت حق تعالیٰ کی جانب سے علم لدنی عطا ہوتا ہے (از انصاف نامہ)

مطلب یہ ہے کہ جو شخص فطرتاً پاک ہے اس کو علم لدنی عطا ہوتا یا اس کے لوح دل کو پاک کرنے کی ضرورت ہے تو پاک کرنے کے بعد عطا کیا جاتا ہے۔

امام علیہ السلام کو مہدیت کی منصب عطا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے علم لدنی عطا فرمایا چنانچہ روایت ذیل اس کی شاہد ہے۔

"نقل است بعد از مہدیت پیش خدائے تعالیٰ حضرت میراں علیہ السلام عرض کردند کہ اے بارخدایا کہ اگر بعد از مہدیت اینچنیں علم لدنی عطا کردی پس آں علم ظاہری را چہ مقصود بود فرمان شد برائے حجت خلق را پیش از آں علم ظاہری دادیم کہ تا علمائے ظاہری ہم ملزم شوند (از انصاف نامہ)

(ترجمہ) منقول ہے کہ مہدی ہونے کے بعد بارگاہ رب ذو الجلال میں میراں السلام نے عرض کیا کہ اے باری تعالیٰ کہ اگر مہدیت کے بعد علم لدنی تو نے عطا کیا تو پس اس علم ظاہری کا کیا مقصود تھا تو فرمان ہوا مخلوق کی حجت کے لئے اس سے پہلے ہم نے علم ظاہری دیا تاکہ علماء ظاہری بھی ملزم ہوویں۔

اس نقل شریف سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امام علیہ السلام کو علم ظاہری و لدنی سے سرفراز فرمایا تھا علم ظاہری آپ کا اتنا زبردست تھا کہ بارہ سال کی عمر میں آپ نے علوم متداولہ کی تحصیل فرمائی اور علماء جونپور آپ کو اسد العلماء کہتے تھے۔ نقل شریف میں اینچنیں کا لفظ علم لدنی کے اظہار تعظیم کے لئے ہے نقل شریف میں علم ظاہری کے عطا کئے جانے کی وجہ مخلوق کے لئے حجت پیش کرنا بتائی گئی ہے اور حجت پیش کرنے کا موقع دعویٰ کے بعد ہی ہوتا ہے آپ کی حجت کتاب اللہ اور اتباع رسول اللہ تھی چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا "مذہب ما کتاب اللہ و اتباع رسول اللہ"

علم لدنی وہ علم ہے جو خاص اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے ہوتا ہے۔ مہدی کی اصلاح

ایک رات میں ہونے کے بارے میں جو حدیث ہے اس میں اشارہ اسی علم لدنی سے آراستہ ہونے کی طرف معلوم ہوتا ہے وہ حدیث یہ ہے۔ عن علیؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المہدی منا اہل البیت یصلحہ اللہ فی لیلۃ۔ روایت ہے حضرت علیؓ کی ہے کہا آپ نے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مہدی ہم میں سے اہل بیت ہے اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح کریگا ایک رات میں (از ابن ماجہ باب المہدی)

علماء نے کہا ہے کہ علم لدنی وہ علم ہے جو بغیر واسطہ کسب اور تلقین حرف کے ہوتا ہے صاحب کشف الاسرار فرماتے ہیں کہ اس علم کا جاننے والا محقق ہے جو پاتا ہے وہی کہتا ہے فتوحات میں سلطان العارفین قدس سرہٗ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ دانشمندوں کی ایک جماعت سے کہتے تھے۔ "اخذتم علمکم میتا عن میت واخذنا علمنا عن الحی الذی لا یموت" یعنی تم نے علم میتاً عن میت لیا ہے اور ہم نے علم اس حی سے لیا ہے جو مرتا نہیں ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

گلشنی کز نقل روید یکدم است
گلشنی کز عشق روید خرم است
گلشنی کز گل دمد گردد تباہ
گلشنی کز دل دمد وافرحتاہ
علم چوں بر دل زند یارے شود
علم چوں بر گل زند بارے شود

(از تفسیر حسینی جلد دوئم)

صاحب تفسیر کشاف نے علم لدنی کا معنی اخبار عن الغیوب لکھا ہے ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی اور صاحب بیضاوی کا قول بھی یہی ہے۔ علامہ نسفی نے ایک قول یہ بھی نقل فرمایا ہے۔ وقیل العلم اللدنی ما حصل

للعبد بطریق الالہام یعنی علم لدنی وہ علم ہے جو بندہ کو بطریق الہام حاصل ہوتا ہے علامہ علی مہائمیؒ وعلمناہ من لدنا علما کی تفسیر میں لکھتے ہیں وعلمناہ بلا واسطۃ بشر وملک من لدنا علما جلیلا لا یعطی کثیرا من الانبیاء یعنی ہم نے اس کو بغیر واسطہ بشر اور ملک ہمارے نزدیک سے ایک ایسے بڑے علم کی تعلیم دی ہے جو بہت سے انبیاء کو نہیں دیا جاتا ہے۔

علی مہائمی رحمۃ اللہ ہندوستان کے کامل ترین علماء اور بڑے ارباب طریقت میں سے تھے آپ کی سکونت قریہ ماہم میں تھی جو شہر بمبئی کے قریب ہے اسی قریہ میں آپ کی زیارت گاہ ہے ۷۷۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۸۳۵ھ جمادی الاخری کی آٹھویں تاریخ وفات پائی آپ کی کرامات اور خوارق عادات بہت مشہور ہیں۔ الغرض علم لدنی ایک اشرف واعلیٰ علم ہے جو خدا کے خاص بندوں کو عطا ہوتا ہے بموجب ارشاد امام علیہ السلام اتقی وہ بندہ ہوتا ہے جس کے لوح دل میں بہ سبب صفائی اور طہارت کے اس علم کے نور کو اخذ کرنے کی قابلیت ہوتی ہے۔

علم لدنی قدرت کی ایک بڑی فیاضی ہے انسان اپنی قوت کے موافق علوم کا اکتساب کرسکتا ہے اس کی قوتیں محدود ہیں تو اس کی قوائے اکتسابیہ کا دائرہ بھی محدود ہوگا۔ قدرت کی یہ فیاضی کتنی بڑی ہے ہوا کرۂ زمین کے ہر حصہ میں پھیلا دی گئی تاکہ ہر جاندار اپنی جگہ پر اس سے فائدہ اٹھائے۔ سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کی روشنی سے سب فائدہ اٹھاتے ہیں سمندر سے پانی سحاب بن کر اڑتا ہے بادل پیدا ہوتے ہیں اور بادلوں سے زمین کے حصے سیراب ہو جاتے ہیں انسان کی اکتسابی قوت اگر چاہے کہ میں پانی کو سحاب بنا کر اڑا دوں اور بادل پیدا کرکے اس سے پانی برساؤں تو ممکن ہے کہ سائنس کی ترقیوں کی بدولت اس میں کامیابی حاصل ہو لیکن اکتسابی قوت قدرت کی فیاضی نہیں دکھا سکے گی یہی فرق علوم اکتسابیہ اور علوم لدنیہ میں ہے کہ علم لدنی قدرت کی فیاضی ہے اور علم اکتسابی انسان کی محدود قوتوں کا نتیجہ

آثار صبح نمودار ہوتے ہی جس طرح رات کی اندھیری میں گھروں کو روشن رکھنے والے اور راستوں پر روشنی کرنے والے اور شب دراز بتانے والے برقی فانوس بجھا دیئے جاتے ہیں اسی طرح علم لدنی کا آفتاب انسان کی زمین قلب پر ضیاء پاشی کرنے سے پہلے اس کے علم اکتسابی کا برقی فانوس بجھا دیا جاتا ہے۔

امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس بندہ کو خدمت سے پہلے جو علم ظاہری تھا فراموش کر دیا اس کے بعد علم لدنی عطا فرمایا نقل شریف ہے۔

"نیز نقل است کہ حضرت میراں علیہ السلام فرمودند کہ این بندہ را پیش از خدمت علم ظاہری کہ بود فراموش گردانید آنگاہ علم لدنی روزی گردانید (انصاف نامہ)

امام رازی رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ آیہ شریفہ وعلمناہ من لدنا علما سے یہ امر مستفاد ہوتا ہے کہ علوم لدنیہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے کسی واسطہ کے بغیر حاصل ہوتے ہیں اور جو علوم بطریق مکاشفہ حاصل ہوتے ہیں صوفیہ ان ہی کو علوم لدنیہ کہتے ہیں اس کے بعد اس خصوص میں اپنی تحقیق کا اظہار فرمایا ہے اور وہ یہ ہے۔

جب کسی امر کا ادراک کرتے ہیں اور کسی حقیقت کا تصور کرتے ہیں تو یا اس پر کوئی حکم لگاتے ہیں یا کوئی حکم نہیں لگاتے صورت اولیٰ کو تصدیق اور صورت ثانیہ کو تصور کہیں گے ان دونوں میں سے ہر ایک یا ضروری ہوگا جو بغیر کسب اور طلب کے حاصل ہوگا یا کسبی ہوگا۔

علوم ضروریہ وہ ہیں جو نفس اور عقل میں بغیر کسب اور طلب کے حاصل ہوتے ہیں مثلاً الم و لذت، وجود اور عدم کے تصورات اور نفی و اثبات غیر مجتمع ہونے اور غیر مرتفع ہونے اور واحد اثنین کا نصف ہونے کے تصدیقات۔

علوم کسبیہ وہ ہیں جو ابتداً جوہر نفس میں حاصل نہیں ہوتے بلکہ ان کے حصول کے لئے ایک ایسے طریقے کی ضرورت ہوتی ہے جو ان علوم تک

پہونچنے کا وسیلہ ہے۔

علوم اکتسابیہ بھی دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جو علوم بدیہیہ یا نظریہ کو ترتیب دینے سے حاصل ہوتے ہیں انسان ان کو ترتیب دینے کی تکلیف گوارا کر کے مجہولات کو حاصل کرتا ہے اس طریقہ کا نام طریقہ نظر و تفکر و تدبر و تأمل و تروی و استدلال ہے۔ تحصیل علوم کا یہ طریقہ جہد اور طلب کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔

دوسرا یہ کہ انسان ریاضت اور مجاہدہ کے ذریعے سے اس بات کی سعی کرتا ہے کہ اس کی حسی اور خیالی قوتیں ضعیف ہو جائیں اور جب یہ قوتیں ضعیف ہو جاتی ہیں تو قوت عقلیہ قوی ہوتی ہے اور جوہر عقل میں انوار الٰہی چمکنے لگتے ہیں اور بغیر واسطہ سعی و طلب فی التفکر و التامل کے معارف حاصل ہو جاتے ہیں اور علوم درجۂ کمال کو پہونچ جاتے ہیں یہی وہ علوم ہیں جن کو علوم لدنیہ کہتے ہیں جب یہ بات تم کو معلوم ہو گئی تو نفوس ناطقہ کے اختلاف کی بحث سمجھنے میں دقت نہ ہوگی۔ واضح ہو کہ جواہر نفوس ناطقہ کی ماہیت مختلف ہوتی ہے بعض نفوس نورانی و علوی اور جسمانی جذبات سے بہت کم تعلق رکھنے والے ہوتے ہیں ان میں تجلیات قدسیہ اور انوار الٰہیہ کو قبول کرنے کی بہت بڑی استعداد ہوتی ہے عالم غیب سے ان پر انوار الٰہیہ کے فیوض تمام و کمال ہوتے ہیں علم لدنی سے مراد وہی فیوض ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قول آتیناہ رحمۃ من عندنا وعلمناہ من لدنا علما سے بھی مراد یہی فیوض ہیں۔

لیکن وہ نفس جس کے جوہر میں صفائی اور جس کے عنصر میں اشراق نہیں ہے ناقص اور بلید ہوتا ہے اس کے لئے توسط بشری کے بغیر معارف و علوم کا حاصل کرنا ناممکن ہے پہلی قسم قسم ثانی کی نسبت کرتے مثلاً آفتاب کے ہے جزئی اضواء کے نسبت کرتے اور مانند سمندر کے ہے چھوٹی چھوٹی نہروں کے نسبت کرتے اور مانند روح اعظم کے ہے جزئیہ ارواح کے نسبت کرتا اس ماخذ پر ایک کم درجہ کی تشبیہ ہے اس کے علاوہ اور اسرار ہیں جن کا ذکر اس کتاب میں ممکن نہیں ہے۔ (انتہی کلامہ از تفسیر کبیر)

نفوس ناطقہ کے اختلاف کا مرجع ماہیت ہے یا اعراض ایک بحث طلب امر ہے لیکن ایک شاعر نے اس اختلاف کے مطلب کو نہایت اچھے پیرایہ میں ادا کیا ہے۔

فان تفق الانام وانت منھم
فان المسک بعض دم الغزال

یعنی اے ممدوح تو انسان ہونے کے باوجود اور انسانوں سے فائق ہو جائے تو کوئی استعجاب کی بات نہیں ہے کیونکہ مشک ہرن کا خون ہے باوجود اس کے خون آہو کے دوسرے اجزا پر فضیلت رکھتا ہے۔

الغرض امام علیہ السلام کا یہ فرمان کہ اُمّی کو علم لدنی عطا ہوتا ہے بتا رہا ہے کہ وہ اُمّی جس کو علم لدنی عطا ہوتا ہے بڑی شان کا انسان ہوتا ہے موافق ارشاد امام علیہ السلام کے اس کا تختۂ دل نہایت پاک وصاف اور انوار فیوض الٰہیہ کو اخذ کرنے کی قابلیت رکھتا ہے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی امیت پر صاحب تفسیر روح البیان نے قول کاشفی کو نقل فرمایا ہے۔ قال الکاشفی و در امیت آں حضرت× صلی اللہ علیہ وسلم کی امیت میں کئی نکتے ہیں۔ یہاں صرف تین بیتوں پر اکتفا کیا جاتا ہے

فیض ام الکتاب پرورد شش
ام الکتاب کے فیض نے اس کی پرورش کی
لقب اُمی ازاں خدا کرد شش
اس لئے خدا نے اس کو امی کا لقب دیا
لوح تعلیم ناگرفتہ بہ بر
لوح تعلیم اس نے اپنی بغل میں نہیں لیا
ہمہ ز اسرار لوح دادہ خبر
اور لوح محفوظ کے تمام اسرار کی خبر دیدی
برخط اوست انس وجاں را سر
تمام انسانوں اور جنوں کا سر اس کے خط پر ہے

× صلی اللہ علیہ وسلم نکتہ ہاست اینجا بہ بیت اختصار می رود یعنی کاشفی نے کہا کہ آنحضرت

کہ نخواندہ است خط ازاں چہ خطر
اگر اس نے خط نہیں پڑھا ہے تو کیا مضائقہ

غرض علم ظاہری ہو کہ علم لدنی دونوں نور ہیں نور میں باعتبار اس کے ظہور کے تشکیک ہے کہیں اس کا ظہور شدت کے ساتھ ہے اور کہیں ضعف کے ساتھ اور کہیں کمی کے ساتھ اور کہیں زیادتی کے ساتھ۔

علم ومعرفت یقین اور صفات ربوبیت کو تشبیہ نور سے ظلمت نفس کفر وضلالت وجہل یا صفات بشریت کو تشبیہ ظلمت سے دی جاتی ہے ظلمت اور نور کا استعمال قرآن شریف میں بھی ہوا ہے۔ اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے۔ اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور والذین کفروا اولیاءھم الطاغوت یخرجونھم من النور الی الظلمات اولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون پ۳۔ رکوع ۲ سورۃ البقرۃ۔

(ترجمہ) اللہ دوست ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے نکالتا ہے ان کو تاریکیوں سے نور کی طرف اور وہ لوگ جو کافر ہوئے ان کے اولیاء طاغوت ہیں نکالتے ہیں وہ ان کو نور سے تاریکیوں کی طرف وہی لوگ اصحاب نار ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ملا حسین کاشفی نے من الظلمات الی النور کی تفسیر میں لکھا ہے۔

از تاریکیہائے کفر وضلالت بسوئے روشنائی ایمان وہدایت از فکرت بمعرفت ویا از شک بیقین یا از ظلمت نفس بنور دل یا از صفات بشریت باخلاق ربوبیت۔

(ترجمہ) کفر وضلالت کی تاریکیوں سے ایمان وہدایت کی روشنائی کی طرف یا شک سے یقین کی طرف یا ظلمت نفس سے نور دل کی طرف یا صفات بشریت

سے اخلاق ربوبیت کی طرف۔

صاحب تفسیر کشاف علامہ جار اللہ زمخشری نے یخرجھم من الظلمات کی تفسیر میں یخرجھم من الشبہ فی الدین اور یخرجونھم من النور الی الظلمات کی تفسیر میں یخرجونھم من نور البینات التی تظھر لھم الی ظلمات الشک والشبہ تحریر فرمایا ہے۔

اور علامہ علی مہائمی رحمہ اللہ نے یخرجھم من الظلمات الی النور کی تفسیر میں یخرجھم من ظلمات الشبھات الی نور الدلائل المفیدۃ للیقین الماحی للشبھات بالکلیۃ اور یخرجونھم من النور الی الظلمات کی تفسیر میں یخرجونھم من نور الدلائل القطعیۃ الی ظلمات الشبھات لکھا ہے اور صاحب تفسیر خازن نے اسی آیۃ شریفہ کے تحت لکھا ہے وسمی الاسلام نور الوضوح طریقہ وبیان ادلتہ یعنے اسلام کا نام نور اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس کا طریقہ اور اس کی دلیلیں واضح ہیں تفسیر جلالین میں ظلمات کی تفسیر میں کفر اور نور کی تفسیر میں ایمان لکھا ہے۔

ان تمام تفسیروں سے واضح ہے کہ کفر یا شک وشبہہ یا ہواجس نفسانی کے لئے ظلمات کا لفظ اور یقین ومعرفت واسلام اور دلائل قاطعہ کے لئے نور کا لفظ مستعار لیا گیا ہے اس قسم کے استعارات اللہ تعالیٰ کے کلام میں بکثرت پائے جاتے ہیں اور اس پر متکلم کا سوق کلام بھی دلالت کرتا ہے آیۃ شریفہ الحمد للہ الذی خلق السموات والارض وجعل الظلمات والنور کی تفسیر میں علماء نے ظلمات کا معنی جہل اور نور کا معنی علم بھی لکھا ہے ملاحظہ ہو تفسیر حسینی پارہ ۷ سورۂ انعام صفحہ ۱۶۴۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم کو نور سے اور جہل کو سیاہی

یا تاریکی سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ پس اب امام علیہ السلام کی نقل ذیل کا معنی نہایت واضح اور نہایت صاف طور پر مفہوم ہو جاتا ہے۔ نقل شریف یہ ہے کہ

"و نیز حضرت میراں علیہ السلام فرمودند ہر کہ سیاہی بسیار می بیند دل او سیاہ میشود"

کما قال سبحانہ وتعالیٰ ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلو علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین وآخرین منھم لما یلحقوا بھم وھو العزیز الحکیم ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم" (از انصاف نامہ)

(ترجمہ) نیز حضرت میراں علیہ السلام نے فرمایا جو شخص سیاہی بہت دیکھتا ہے تو اس کا دل تاریک ہو جاتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ وہی ہے جس نے امیوں میں ان ہی میں سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا جو ان کے سامنے ان کی آیتیں تلاوت کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ کہ وہ پہلے البتہ کھلی گمراہی میں تھے اور ان میں کے آخرین میں ان ہی میں سے جو نہ ملے اُن سے اور وہ غالب حکمت والا ہے وہ اللہ کا فضل ہے اسے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

نقل شریف سے واضح ہے کہ دل میں تاریکی سیاہی دیکھنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے سیاہی فارسی زبان کا لفظ ہے اس چیز کو کہتے ہیں جو دوات میں ڈالی جاتی ہے اور اس سے لکھنے کا کام لیا جاتا ہے اگر لفظ سیاہی کو استعارہ نہ قرار دے کر اس کے معنی حقیقی لئے جائیں تو یہ معنی ہوگا کہ محض سیاہی کو دیکھنے سے دل کالا ہوتا ہے اور یہ معنی عقل ونقل کے خلاف ہے عقل کے خلاف اس لئے کہ سیاہی کے دیکھنے اور

دل کی تاریکی میں کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی کیونکہ بہت سی سیاہ چیزوں کو دیکھتے ہیں منجملہ ان سیاہ چیزوں کے سیاہی بھی ہے انبیاء علیہم السلام صلحاء اور علماء سبھوں نے سیاہ چیزوں کو دیکھا اور سیاہی بھی دیکھی لیکن ان کے قلوب پر نعوذ باللہ سیاہ ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ نقل کے خلاف اس لئے کہ حدیث صحیح میں علماء کی سیاہی کو شہداء کے خون پر فضیلت دی گئی ہے لہذا مطلق سیاہی کو موجب سیاہی قلب نہیں کہہ سکتے پس معلوم ہوا کہ یہاں سیاہی سے مراد وہ سیاہی نہیں ہے جو اپنے معنی حقیقی میں مستعمل ہوئی ہے بلکہ سیاہی کا لفظ بطور استعارہ یا بطور مجاز مرسل کے مستعمل ہوا ہے سیاہی کا معنی تحریرات ضلالت لیا جائے، تو نقل شریف کا یہ معنی ہوگا کہ جو شخص ایسی تحریریں دیکھتا ہے جس سے خدا سے غفلت اور دین سے انحراف پیدا ہو تو اس سے دل تاریک ہوتا ہے اور یہ معنی صحیح ہے اس معنی کے لحاظ سے سیاہی کا لفظ مجاز مرسل ہوگا یا سیاہی دیکھنے سے مراد ایسی شی کا دیکھنا ہے جس سے جہل یا ظلمات نفسانی میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس معنی کے لحاظ سے سیاہی کا لفظ استعارہ ہوگا اور اس معنی پر سوق کلام بھی دلالت کرتا ہے کیونکہ آیۃ شریف بطور استشہاد پیش کی گئی ہے آیۃ شریفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور تزکیہ کا ذکر ہے تعلیم و تزکیہ کے خلاف جہل اور ظلمات نفسانی ہی ہوسکتے ہیں۔ نقل شریف کا معنی یہ نہیں ہے کہ بہت علم سیکھنے والے کا دل کالا ہوتا ہے علم کی زیادتی تو انبیاء علیہ السلام کی مطلوب رہی ہے۔

چنانچہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو پروردگار عالم کا حکم ہوا کہ وقل رب زدنی علماً

(ترجمہ) اور کہہ اے رب میرے تو مجھے علم میں بڑھا۔ (سورہ طہٰ پارہ ۱۶ رکوع ۱۵)

امام علیہ السلام تابع تام ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپ کا دعویٰ مذہب، ما کتاب اللہ واتباع رسول اللہ ہے۔ علم کی بہتات آپ کی مطلوب و محبوب ہے اسی واسطے آپ فرماتے ہیں۔ "ما مذہب بصیراں اختیار کردیم" امام علیہ السلام کی تمام تر کوشش یہ ہوتی تھی کہ افراد امت محمدیہ مدارج عالیہ پر فائز ہوں یہ کوشش آپ کی شفقت عامہ اور رافت تامہ کا نتیجہ تھی اسکے لئے آپ چاہتے تھے کہ طالبان مولیٰ نیچے کے مدارج سے نکل کر اس قابل بن جائیں کہ ان کے قلوب میں فیوض علم لدنی کی صلاحیت تزکیۂ نفسانی کے ذریعہ سے پیدا ہو جائے۔ علم زاید از لابدی کے خواہشمند دل کو آپ ہمیشہ اس علم کی طرف توجہ دلاتے رہے جس سے صفات حق کی تحقیق ہو چنانچہ میاں نظام اور ملک معروف رضی اللہ تعالیٰ عنہما درخواست مذکور پیش کرنے کے لئے حضرت کے حضور میں گئے اور آپ خلوت میں تشریف رکھتے تھے ابھی درخواست سمع ہمایوں تک نہیں پہونچی تھی کہ آپ کی زبان ہدایت ترجمان پر یہ چار مصرع جاری ہوئے۔

علمے بطلب کہ با تو ماند
آندم کہ تراز تو در رہاند
آں علم فریضہ را نخوانی
تحقیق صفات حق ندانی

اس علم سے مراد علم توحید ہے یا وہ فیض ہے جو بارگاہ صمدیت سے ایک پاک و صاف قلب والے انسان کو عطا کیا جاتا ہے۔ امام علیہ السلام کا مطلب تعلیم کبھی یہ نہیں ہے کہ انسان علم سے محروم رہے آپ کی تعلیم جو آپ کے ملکہ شفقت پر مبنی تھی ہمیشہ یہی رہی ہے کہ انسان علم کا اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ حاصل کرے اور وہ علم حاصل کرے جس کے حاصل کرنے کے لئے وہ پیدا ہوا ہے۔

نقول مذکورہ کا مطلب معلوم کرنے کے بعد نقل ذیل کا معنی صاف اور واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے

"ونیز فرمودند کہ بسیار خوانندہ بسیار خوار میشود و طلب دنیا میکند و کسیکہ طلب دنیا نمی کند او را عجب بسیار میشود بعدہٗ حضرت میراں علیہ السلام فرمودند آنچہ بندہ میگوید ہمچناں میکند یعنی ذکر خدائے تعالیٰ بکنید تا بینائی خدائے تعالیٰ حاصل شود"

قال النبیؐ ویل لاولاد امتی فی اٰخر الزمان لاٰبائھم قیل یارسول اللہ من آبائھم المشرکین قال لا بل اٰبائھم المومنین فانھم یتعلمون العلم فاذا تعلم اولادھم العلم منعوھم ان یتعلموا علم الدین ولا یرضون من اولادھم اِلّا لشئی من غرض الدنیا۔ (از انصاف نامہ)

(ترجمہ) نیز امام علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بہت پڑھنے والا بہت خوار ہوتا ہے اور دنیا کی طلب کرتا ہے اور جو طلب دنیا نہیں کرتا ہے اس کو عجب بہت ہوتا ہے اس کے بعد حضرت میراں علیہ السلام نے فرمایا بندہ جو کچھ کہتا ہے تم ویسا ہی کرو یعنی ذکر خدائے تعالیٰ کرو تاکہ بینائی خدا کی حاصل ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخری زمانے کی میری امت کی اولاد پر ان کے ماں باپ کی طرف سے ہلاکت ہے عرض کیا گیا۔ یارسول اللہ کیا ان کے مشرک ماں باپ کی طرف سے تو فرمایا نہیں بلکہ ان کے مومن ماں باپ کی طرف سے کہ وہ علم سیکھیں گے اور جب ان کی اولاد علم سیکھے گی تو ان کو علم دین کے سیکھنے سے منع کریں گے اور اپنی اولاد سے سوائے اسباب دنیا کے اور کسی چیز سے راضی نہ ہوں گے۔

نقل شریف میں بسیار خوانندہ مطلق ہے اور اس امر کی صراحت بھی نہیں ہے کہ کسی چیز کا بہت پڑھنے والا طلب، دنیا یا خود پسند ہوتا ہے اگر مطلق کو بحالت اطلاق رکھا جائے تو یہ معنی ہوگا کہ بہت پڑھنے والا خواہ کسی حیثیت کا انسان ہو اور جس کسی چیز کو کثرت سے پڑھے طالب دنیا بن جاتا ہے یا خود پسند ہو جاتا ہے یہ معنی منقولات شرعیہ کے خلاف ہیں جو آیات شریفہ پڑھنے کی ہدایت کر رہی ہیں وہ

یہ ہیں۔

اقراء باسم ربک الذی خلق الانسان من علق اقراء و ربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم۔

(ترجمہ) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ قرآن کو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا انسان کو بستہ خون سے پیدا کیا پڑھ قرآن کو اور تیرا رب زیادہ بزرگ ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے لکھنا سکھایا انسان کو وہ سکھایا جو نہیں جانتا تھا۔

یہ سورۂ علق کی پہلی آیتیں ہیں جمہور علماء کو اس امر پر اتفاق ہے کہ سب سے پہلے جو آیتیں نازل ہوئی ہیں وہ سورۂ علق کی پہلی پانچ آیتیں ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں یا بردایتے پہاڑ پر تشریف رکھتے تھے کہ لکایک جبرئیل آپ کے سامنے نمودار ہوئے اور کہا اے محمد! خدائے تعالیٰ نے مجھے آپ کے پاس بھیجوایا ہے اور آپ اس اُمت پر خدا کے رسول ہیں اور کہا پڑھ تو آپ نے کہا ما انا بقاریٍ میں پڑھنے والا نہیں ہوں چنانچہ آپ بے طاقت ہوگئے جبرئیل نے آپ کو پکڑ لیا اور خوب زور سے دبایا اور چھوڑ دیا اور کہا پڑھ تو آپ نے فرمایا ما انا بقاریٍ میں پڑھنے والا نہیں ہوں دوبارہ جبرئیل نے آپ کو پکڑا اور زور سے دبایا اور چھوڑ دیا اور کہا اقراء باسم ربک الذی خلق۔

ایک روایت یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے اپنے پر کے نیچے سے بہشت کا حریر جو موتیوں اور یاقوت سے بنا ہوا تھا نکالا۔ اور آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے ڈال دیا اور کہا پڑھ تو آپ نے فرمایا میں پڑھنے والا نہیں ہوں اور اس میں میں کچھ بھی لکھا ہوا نہیں دیکھتا ہوں جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو اپنے سے لگالیا اور خوب دبایا قریب تھا کہ آپ بے ہوش ہو جاتے تین دفعہ اس طرح کیا اس کے بعد آپ کو چھوڑ دیا اور آیات مذکورہ پڑھیں (از تفسیر حسینی) اقراء کی تکرار مبالغہ

کے لئے ہوئی ہے۔ بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ پہلے اقراء سے مراد اقرأ فی نفسك ہے یعنی اپنے دل میں پڑھو اور دوسرے اقرأ سے مراد یہ ہے کہ تبلیغ و تعلیم امت کے لئے پڑھو (از تفسیر خازن) یہ امر ظاہر ہے کہ جو پڑھنا تعلیم و تبلیغ کے لئے ہوگا وہ بہت ہوگا۔

نیز آیت شریفہ فاقرؤا ما تیسر من القرآن (یعنی پس پڑھو تم جو میسر ہو قرآن میں سے) قرآن کو پڑھنے کی ہدایت کر رہی ہے اس میں دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ مراد اس قراۃ سے نماز کی قراۃ ہے کیونکہ نماز قراۃ کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے پس جزو کا اطلاق کل پر کیا گیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ فصلوا ما تیسر لکم یعنی تم نماز پڑھو اس سے جو تمہیں میسر ہو۔ قیس ابن حازم کہتے ہیں میں نے بصرہ میں عبداللہ بن عباس رضی کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے پہلی رکعت میں الحمد اور سورۂ بقرہ کی پہلی آیت پڑھی پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوگئے اور الحمد پڑھنے کے بعد سورۂ بقر کی دوسری آیت پڑھی اور رکوع کیا اور جب نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ فاقرؤا ما تیسر من القرآن یعنی قرآن میں سے جس قدر تمہیں میسر ہو نماز میں پڑھو۔

(۲) قول یہ ہے کہ فاقرؤا ما تیسر من القرآن سے مراد قرآن شریف کا سبقاً سبقاً پڑھنا اور اس کے حفظ کی تحصیل کرنا ہے اور اس کو نہ بھولنا ہے۔" (از تفسیر خازن)

احادیث شریفہ میں بھی قرآن شریف پڑھنے کی فضیلت بتائی گئی ہے چنانچہ امام بغوی نے اپنی اسناد کے ساتھ لکھا ہے۔

عن انس رض انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من قرأ خمسین آیۃ فی یوم او لیلۃ

لم یکتب من الغافلین ومن قرأ مائۃ آیۃ کتب من القانتین ومن قرأ مائتی آیۃ لم یحاجہ القرآن یوم القیامۃ ومن قرأ خمسمائۃ آیۃ کتب لہ قنطار من الاجر۔

(ترجمہ) انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے جس نے ایک دن یا ایک رات میں قرآن شریف کی پچاس آیتیں پڑھیں تو اس کا شمار غافلوں کی جماعت میں نہ ہوگا اور جس نے ایک سو آیتیں پڑھیں تو اس کا شمار قانتوں میں ہوگا۔ اور جس نے دو سو آیتیں پڑھیں تو قرآن قیامت کے دن اس سے خصومت نہیں کرے گا اور جس نے پانچ سو آیتیں پڑھیں تو اس کے لئے ایک قنطار کا اجر لکھا جائے گا اس کے سوائے اور بھی احادیث شریفہ ہیں جو قراءت قرآن پر دلالت کرتی ہیں۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ نقل شریف میں بسیار خوانندہ کے الفاظ اپنی حالت اطلاق پر نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اپنی اوقات معلومات ضلالت میں صرف کرتا ہے اور گمراہ کن تحریرات پڑھتا ہے اور ان سے دلچسپی لیتا ہے اور طلب دنیا میکند دگیر طلب دنیا نمیکند اور اعجب بسیار میشود کے قرائن بتا رہے ہیں کہ اس سے مراد وہی شخص ہے جو علوم غفلت کا مکتسب بنتا ہے جن سے ذمائم نفسانی پیدا ہوتے ہیں علوم دین تو انسان کو ذمائم نفسانی عجب و کبر وطلب دنیا سے روکتے ہیں اور اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے ہیں چنانچہ امام علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ "ذکر اللہ کر تا کہ خدا کی معرفت حاصل ہو" علم دین پر مبنی ہے۔ یعنی اس کا ماخذ قرآن شریف ہے اور قرآن شریف تمام علوم دینیہ کی جان اور تعلیم اخلاق حسنہ کی کان ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ علوم دین کے عالم بھی بلائے عجب میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور دنیا کی طلب میں بڑھ جاتے ہیں اور بعض لوگ جو علوم دین کے سوائے

اور علوم کے عالم ہوتے ہیں ان میں عجب نہیں ہوتا پھر کیا وجہ ہے کہ بسیار خوانندۂ بسیار خوار میشود کہ خوانندۂ علوم دین پر محول نہیں کیا جاتا اور جب علوم دین پر اسے محول لکھا جائے اور غیر علوم دین کے عالم میں عجب نہ پایا جائے تو نقل شریف مورد اعتراض ہو جاتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اس امر کو تسلیم نہیں کرتے بسیار خوانندۂ سے مراد بسیار خوانندۂ علوم دین ہے کیونکہ علوم دین دنیا کی طلب اور عجب سے روکتے ہیں جو چیز جس امر سے روکنے والی ہوتی ہے وہ اس کا باعث نہیں ہوتی بلکہ باعث نفسانی کمزوری ہوتی ہے اور بعض علوم جو علوم دین کے ماسوا ہیں ان کا عالم عجب کی بلا میں گرفتار نہیں پایا جاتا تو اس سے نقل شریف پر کوئی اعتراض نہیں آسکتا کیونکہ نقل شریف کے الفاظ "بسیار خوانندۂ بسیار خوار میشود طلب دنیا میکند الخ۔ کلیۃً کے مدعی نہیں ہیں اور نہ ایسے الفاظ مستعمل ہوئے ہیں جن سے کلیتہ کا معنی مفہوم ہوتا ہو علماء کو اس امر پر اتفاق ہے کہ قضیہ مہملہ مستلزم قضیہ جزئیہ ہوتا ہے پس نقل شریف کے یہ معنی ہوں گے کہ بعض بہت پڑھنے والا علم دین کے ماسوا علم کا بہت خوار ہوتا ہے۔ اور اس معنی پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا اور جہاں جہت متروک ہوتی ہے تو اس لحاظ سے کہ امکان عام تمام جہات سے عام ہے وہاں جہت امکان ہی مراد ہونی چاہیئے۔

یہ امر مسلم ہے کہ انسان جس مقصد کے حصول کی سعی کرتا ہے اگر اسی کے حصول میں منہمک ہو۔ اور اپنی تمام اوقات اسی کے پیچھے صرف کرے تو اس کے حصول کی توقع کی جاتی ہے برخلاف اس کے اگر اپنی اوقات غیر ضروری امور میں صرف کرے تو یقیناً مقصد مذکور کے حصول میں ناکامی ہوگی کعبہ کی طرف جانے والے کا فرض ہے کہ صرف ان ہی راستوں سے عبور کرے جو اسے کعبہ تک پہونچانے والے ہیں برخلاف اس کے کسی دوسرے ملک کے جانے والے راستوں سے گزرے گا تو یا پہنچنے میں دیر ہوگی یا پہنچ ہی نہ سکے گا۔

ہرگز نرسی بکعبہ اے اعرابی
کایں رہ کہ تو میروی بترکستانست

ایک شخص سائنس میں کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن جس سال اسے سائنس کا امتحان دینا ہے۔ تاریخ وجغرافیہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے تو یقیناً دانشمندوں کے پاس اس کا یہ فعل اعتراض کے قابل ہوگا اگر چیکہ اہل علم تاریخ وجغرافیہ کے معلومات کو بھی بنظر استحسان دیکھتے ہیں بلکہ ضروری سمجھتے ہیں۔

علم التفسیر ایک اعلیٰ اور شریف فن ہے لیکن خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں کوئی شخص جار اللہ زمخشری یا محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ کی تفسیر سے قرآن شریف کے نکات ودقائق حل کرنے میں مصروف ہو تو یقیناً یہ اس کی نادانی اور گستاخی ہے کیونکہ حضور رسالتمآب کے سامنے کسی تفسیر سے قرآنی دقائق کا حل کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ حضور کے روبرو خود اس تفسیر کے مفسر سے قرآن کے حقائق دریافت کرنا پس اسی طرح اگر کوئی شخص امام مہدی علیہ السلام کے سامنے جن کی شان یقفو اثری ولا یخطی ہے اور جو بموجب علمت من اللہ بلا واسطہ مورد فیوض ربانی ہے۔ قرآن شریف کے وہ حقائق ودقایق جن سے معرفت باری تعالیٰ کے راستے معلوم ہوں ان تفسیروں سے حاصل کرنا چاہے تو یقیناً ظلم ہے مہدی علیہ السلام امام معصوم ہیں معصوم سے تحقیق دقایق قرآنی حل نہ کرکے غیر معصوم کی تحقیق سے استفادہ کرنا آفتاب کی روشنی میں چراغ جلانا ہے جو ایک امر لاطائل ہے۔

ایک دن قاضی قادن تفسیر کا مطالعہ کر رہے تھے یکایک میراں علیہ السلام ان کے پاس آگئے اور دریافت فرمایا کہ کیا پڑھ رہے ہو انہوں نے عرض کی تفسیر پڑھ رہا ہوں میراں علیہ السلام نے فرمایا جو شخص تفسیر پڑھتا ہے خدا کو نہیں دیکھتا ہے نقل شریف یہ ہے۔

"ونیز نقل است از قاضی قادن یک روز ایشاں چیزے

تفسیر میخواندند حضرت میراں علیہ السلام یکایک برسر ایشاں آمدند
و پرسیدند کہ چہ میخوانید میاں مذکورہ عرض کردند کہ تفسیر میخوانم
میراں علیہ السلام فرمودند کسے کہ تفسیر میخواند خدائے را
نہ بیند۔

(ترجمہ) نیز منقول ہے قاضی قادن سے ایک دن وہ کچھ تفسیر پڑھ رہے تھے حضرت میراں علیہ السلام ان کے پاس آئے اور پوچھا کیا پڑھ رہے ہو میاں مذکور نے عرض کیا تفسیر پڑھ رہا ہوں میراں علیہ السلام نے فرمایا جو شخص تفسیر پڑھتا ہے خدا کو نہیں دیکھتا ہے۔

قاضی قادن حضور کی خدمت اقدس میں اس لئے آئے تھے کہ تعلیم حاصل کریں جب مقصود مذکور ان کے پیش نظر تھا تو دوسرا مقصد یعنی علم التفسیر کا انہماک غیر ضروری تھا اور پھر امام معصوم کی خدمت میں رہنے کا شرف حاصل کرنے کے باوجود قرآنی نکات حضور سے حل نہ کر کے تفسیر سے حل کرنے کا شغف پیدا کرنا یقیناً ناجائز تھا اسی لئے امام علیہ السلام نے ان کو تفسیر کے مطالعہ سے روکا اور جس مقصد کے حصول کے لئے آئے تھے اس کے حاصل کرنے کی طرف توجہ دلائی پس امور مذکورہ کے نظر کرنے کے بعد نقل شریف کا معنی صاف طور پر مفہوم ہو جاتا ہے کہ جو شخص ہمارے حضور میں رہ کر قرآن شریف کے حقایق و دقائق کے حل کرنے میں ہم سے استفادہ نہیں کرتا ہے بلکہ اس غرض کے لئے غیر معصوم حضرات کی تفسیر پڑھتا ہے تو وہ خدا بینی کے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ نقل شریف میں جو مقدرات لئے گئے ہیں ان کا قرینہ موجود نہیں ہے تو پھر بلا قرینہ مقدرات قابل تسلیم نہیں ٹہریں گے تو اس کا جواب ہے کہ برسر ایشاں آمدند و پرسیدند کا قرینہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قاضی قادن دائرہ معلیٰ میں رہتے تھے اور امام معصوم کی نظر انور ان پر اس وقت پڑی جبکہ وہ تفسیر کے مطالعہ میں مصروف تھی اس لئے قاضی قادن کے متعلق

یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بارگاہ عصمت سے دقائق و حقایق قرآنی حل نہ کر کے تفاسیر سے حل کرنا چاہتے تھے واقعہ یہ ہے کہ نقل مذکور کو جواز و عدم جواز مطالعہ سے کوئی تعلق نہیں ہے اس میں صرف سوال خدا بینی کا ہے کہ آیا امام معصوم کی خدمت میں حاضر ہو کر کوئی شخص خدا بینی کی منزل مقصود کو امام معصوم کے بتائے ہوئے معانی قرآن پر عمل کر کے پہونچ سکتا ہے یا عام علماء کی تفسیر پڑھ کر؟
اسی سوال کا جواب نقل شریف میں دیا گیا ہے کہ

"کسیکہ تفسیر میخواند خدائے را نہ بیند"

یعنی جو شخص امام معصوم سے قرآن شریف کے وہ معانی جن پر عمل کرنے سے خدا بینی کے مدارج عالیہ پر فائز ہو سکتا ہے حاصل نہ کر کے عام علماء کی تفسیر پڑھتا ہے تو وہ خدا بینی کے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ علم نہ پڑھو بلکہ یہ نقل شریف اپنے قرائن کے ساتھ اس امر پر دلالت کر رہی ہے کہ قرآن شریف کے وہ معلومات جن کے ذریعہ سے معرفت حاصل ہوتی ہے آؤ مجھ سے حاصل کرو اور ان پر عمل کرو میرے بتائے ہوئے معانی قرآن پر عمل کر کے منزل مقصود کو پہونچو اور خیال کی تاریکی سے نکل کر علم و یقین کے نور سے منور ہو جاؤ۔ یہ خیال نہ کیا جائے کہ نقل شریف کی بناء پر تفسیروں کا مطالعہ ممنوع ہے۔ کیونکہ نقل شریف سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ وہ امر موقت تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتے تھے ان کے لئے وہ احکام قطعیات تھے اس میں کسی قسم کا ظن یا شک و شبہ پیدا نہیں ہو سکتا تھا جب عہد مبارک سے دوری ہوئی اور احادیث کی روایت بکثرت ہونے لگی تو علماء نے اصول مقرر کئے ایک اور ایک سے زیادہ راویوں سے روایت کی ہوئی احادیث کی قوت میں امتیاز پیدا ہوا جیسا کہ عہد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علمائے دین متین کی تفسیروں کا مطالعہ جائز اسی طرح عہد مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد بھی تفسیروں کا مطالعہ جائز ٹھیرا بلکہ علم التفسیر کلام الٰہی کی تفسیر ہونے کی حیثیت سے بہ نسبت اور علوم کے اشرف و اعلیٰ

قرار پایا اگر مطالعہ تفسیر کو ممنوع قرار دیا جائے تو آیات کریمہ کی جو جو تفسیر میں حضرت امام مہدی علیہ السلام سے منقول ہیں ان کا مطالعہ بھی ممنوع قرار پائے گا کیونکہ نقل میں کسی تفسیر خاص کی تصریح نہیں ہے اور اس صورت میں معلومات قرآنی کا دروازہ بند ہو جائے گا حالانکہ علماء اسلاف مہدویہ رحمہم اللہ اجمعین کا مایہ ناز ذخیرۂ معلومات وہی روایات ہیں جن میں امام علیہ السلام کی تفسیر آیات قرآنی ہے۔

ہمارے بیان کی تائید اس نقل شریف سے ہوتی ہے کہ جس میں امام علیہ السلام نے بغیر علم تفسیر قرآن کرنے کو بے دیانتی فرمایا ہے نقل شریف یہ ہے۔

"نیز حضرت مہدی علیہ السلام فرمودند بے دیانتی است کہ بغیر علم تفسیر قرآن کند"

(ترجمہ) نیز حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا بے دیانتی ہے کہ قرآن کی تفسیر بغیر علم کے کرے (انصاف نامہ باب سیزدہم)

اس نقل شریف میں علم کے بغیر تفسیر قرآن کرنے کو بے دیانتی کہا گیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ فرمان سے امام مہدی علیہ السلام کے عالم کو قرآن شریف کی تفسیر کرنے کی اجازت ہے اور یہ حکم کسی زمانہ سے مختص نہیں ہے اور جب تفسیر کرنے کی اجازت ہے تو تفسیر پڑھنے کی اجازت بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگی نیز یہ نقل شریف قرینہ ہے اس بات کا کہ "کسیکہ تفسیر خواند خدائے را نہ بیند" کا فرمان اس خاص معنی میں ہے جو اس سے پہلے مذکور ہوا۔

مشہور ہے کہ حضرت بندگی سید محمود رضی اللہ عنہ جو امام علیہ السلام کے نواسے اور مبشر ہیں بوقت وعظ و بیان تفسیر اپنے سامنے رکھتے تھے آپ کیسے صاحب معرفت و خدا بیں تھے مہدویہ تاریخ اور سلسلہ ہائے طریقت شاہد ہیں آپ نے اپنے عمل سے بتا دیا کہ تفسیر خوانی مطلقاً مانع خدا بینی نہیں ہے۔

میاں ولی رحمۃ اللہ نے محققین کا جو قول نقل فرمایا ہے کہ "العلم حجاب اللہ الاکبر" اس کا مطلب یہ ہے کہ علم ریا و حجاب بنتا ہے

چنانچہ اس کے بعد ہی کتاب کافی کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں۔ العلم قبیح "والجھل حسن" یعنی علم برا ہے جہل اچھا ہے اس کی شرح یوں فرماتے ہیں کہ ای علم الریاء یعنی ریاکاری کا علم برا ہے اس تشریح کے قرینہ سے والجھل حسن کا معنی بھی ظاہر ہو گیا یعنی ایسی باتوں کا نہ جاننا اچھا ہے جن سے ذمائم نفسانی اور ریاکاری وغیرہ بد خلقیاں پیدا ہوتی ہیں اور وہ نقل جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لکھنا پڑھنا شروع کرنے والے طالب کو یاران مہدی علیہ السلام میں سے بعض نے منافق کہا تھا وھو ھذا۔

"نیز نقل است کہ چوں طالب چیزے خواندن و نبشتن شروع کردی بعضی یاران میراں علیہ السلام فرمودندے کہ منافق است توشہ می کند از جہت گریختن از دائرہ می خواند"

کہ جب طالب معمولی کچھ لکھنا پڑھنا شروع کرتا تو میراں علیہ السلام کے بعض یار فرماتے کہ منافق ہے توشہ کرتا ہے دائرہ سے بھاگنے کے لئے پڑھتا ہے۔

اس نقل میں خواندن و نبشتن مطلق واقع ہوا ہے اور "چیزے" کا لفظ مجمل ہے اس سے مراد بموجب توجیہات سالقہ لایعنی اور خلاف دین امور کی نوشت و خواند ہے ورنہ امور دین کی نوشت و خواند تو اکابر اصحاب و مہاجرین مہدی علیہ السلام سے ثابت ہے چنانچہ صاحب انصاف رحمہ اللہ باب یازدہم کے ابتداء میں یہ روایت فرماتے ہیں۔

اکثر مہاجران مہدی علیہ السلام در موضع کھانبیل اجماع کردہ بودند بر کاغذ نبشتند بسم اللہ الرحمن الرحیم ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب ۔ الخ۔

(ترجمہ) اکثر مہاجرین مہدی علیہ السلام نے موضع کھانبیل میں اجماع

کیا تھا اور کاغذوں پر لکھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ربنا
لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من
لدنک رحمۃ انک انت الوھاب۔ دیباچہ کتاب انصاف نامہ
میں تحریر فرماتے ہیں۔

"و چند محضر در کھانبیل شدہ بود و در قصبۂ بڑلی اجماع شدہ بود
و در احمد آباد نزدیک قبر بندگی میاں عبدالمجید رضی اللہ عنہ
محضر شدہ بود و در موضع سیہہ اجماع شدہ بود و کتبہا کردہ
بودند"

(ترجمہ) چند محضر کھانبیل میں ہوئے اور قصبۂ بڑلی میں اجماع ہوا تھا اور احمد آباد میں بندگی میاں عبدالمجید رضی اللہ عنہ کی قبر پر محضر ہوا اور موضع سیہہ میں اجماع ہوا یہ محضرے اور کتبے یاراں امام علیہ السلام سے متعلق ہیں اگر مطلقاً لکھنا پڑھنا ممنوع ہوتا تو پھر محضروں اور کتبوں کی کتابت وقوع میں نہ آتی۔ نیز بندگی سید خوندمیر رضی اللہ عنہ کی تصانیف شریفہ عقیدہ مکتوب ملتانی وغیرہ اس امر پر دلال ہیں کہ امام علیہ السلام کے اصحاب لکھتے پڑھتے تھے اور خود کتاب انصاف نامہ شاہد عادل ہے اس بات کی کہ لکھنا پڑھنا مہدویہ کے پاس ممنوع نہ تھا ورنہ ایک مشہور تابعی جنہوں نے اکثر اصحاب اور تمام خلفاء مہدی علیہ السلام کا فیض حاصل کیا ہو انصاف نامہ جیسی ضخیم کتاب نہ لکھتے اور نہ پڑھنے کی لوگوں کو ترغیب دلاتے چنانچہ دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"کسانیکہ مصدقان مہدی علیہ السلام مستند ولیکن صحبت
با مہدی ع و مہاجران ع نہ کردہ اند اگر ایشاں ہوسے دارند کہ
متابعت مہدی علیہ السلام کنند ایں نقلہا را مطالعہ کنند
و انصاف نمایند۔ الخ۔

(ترجمہ) جو لوگ مہدی علیہ السلام کے مصدق ہیں لیکن مہدی

اور مہاجروں کی صحبت میں نہیں رہے ہیں اگر ان کو مہدی علیہ السلام کی پیروی کرنے کی ہوس ہے تو ان نقول کا مطالعہ کریں اور انصاف کریں۔

اسی لئے سلف سے آج تک مہدویہ میں لکھنے پڑھنے کا طریقہ برابر جاری ہے عالم اور مورخ مہدویہ میں ہوئے اور برابر لکھتے پڑھتے رہے۔

میاں شاہ عبدالرحمٰن صاحب مولود شریف میاں عالم باللہ صاحب سراج الابصار میاں شیخ مصطفےٰ گجراتی صاحب مناظرات مولانا منصور خاں صاحب جنت الولایت امیر ابوالقاسم صاحب مطلع الولایۃ شاہ قاسم مجتہد مہدویہ میاں شاہ برہان الدین صاحب دفتر و شواہد الولایۃ رحمہم اللہ اجمعین کی تصنیفات و تالیفات لکھنے پڑھنے کی گواہی دے رہی ہیں پس معلوم ہوا کہ نقل مذکور کا مطلب وہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔

موثق ذرایع سے ہمیں معلوم ہوا کہ بندگی شاہ نظام رضی اللہ عنہ کے دست مبارک سے لکھا ہوا قرآن شریف چن پٹن علاقہ میسور میں اب بھی موجود ہے لکھنے پڑھنے کی شہادت اس سے بڑھ کر اور کیا مل سکتی ہے۔

کتابتہ (لکھنا) قرآن حکیم سے ثابت ہے اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے۔

یا ایھا الذین امنوا اذا تداینتم بدین
الی اجل مسمی فاکتبوہ ولیکتب بینکم کاتب
بالعدل ولا یاب کاتب ان یکتب کما علمہ
اللہ فلیکتب ولیملل الذی علیہ الحق ولیتق
اللہ ربہ ولا یبخس منہ شیئاً

(ترجمہ) اے وہ لوگو جو ایمان لائے جب تم باہم معاملہ کرو قرض کا مدت مقررہ

تک تو لکھ لو اس کو اور چاہیئے کہ لکھے ۔ تمہارے درمیان لکھنے والا ساتھ عدل کے اور نہ انکار کرے لکھنے والا لکھنے سے جیسا کہ سکھایا اس کو اللہ نے اور چاہیئے کہ املا کرے وہ شخص جس کے اوپر حق ہے اور چاہیئے کہ ڈرے اللہ رب اپنے سے اور کم نہ کرے اس سے کچھ (پارہ ۳، رکوع ۲، سورہ بقرہ) اس آیت کی تفسیر میں بعض علماء نے کہا ہے کہ یہاں کتابت فرض کفایہ ہے اور بعض نے فرض عین لکھا ہے اور بعض نے مستحب بتایا ہے اور کہا ہے ادنیٰ یہ ہے کہ لکھنے والا انکار نہ کرے ان تفسیروں کے لحاظ سے اس خاص صورت میں لکھنا کم سے کم مستحب قرار پاتا ہے ۔

اللہ جل شانہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا واکتب لنا کے جواب میں کتابت کی نسبت اپنی طرف فرماتا ہے ۔

چنانچہ آیات شریفہ یہ ہیں ۔

واكتب لنا في هذه الدنيا حسنة و
في الآخرة انا هدنا اليك قال عذابي
اصيب به من اشاء ورحمتي وسعت كل
شيء فساكتبها للذين يتقون ويؤتون
الزكوٰة والذين هم بآياتنا يؤمنون ۔

(ترجمہ) اور لکھ ہمارے لئے اس دنیا میں نیکی کو اور آخرۃ میں تحقیق ہم تیری طرف پلٹ گئے ۔ کہا میرا عذاب پہونچاتا ہوں میں اس کو جس کو چاہتا ہوں اور میری رحمت پہونچی ہر چیز کو پس قریب میں لکھوں گا میں اس کو ان لوگوں کے لئے جو تقویٰ کرتے ہیں اور دیتے ہیں زکوٰۃ کو اور ان لوگوں کے لئے جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں

نیز اس آیت شریفہ میں اللہ جل شانہ کتابت کی تعلیم دینے پر اظہار

منت وکرم فرماتا ہے اقرأ وربك الاكرم الذي علم بالقلم ۔ (سورۂ علق پارہ ۳۰) پڑھ اور تیرا رب تمام بزرگوں سے زیادہ بزرگ ہے جس نے سکھایا لکھنا قلم سے

بستان میں نقل کیا ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے آدم کو کتابت کی تعلیم دی صاحب تفسیر حسینی نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے ۔ بیاموزانید نوشتن بقلم تا علم را بخط قید کنند یعنی قلم سے لکھنا سکھایا تاکہ علم کو خط کے ذریعہ سے محفوظ کریں صاحب تفسیر بیضاوی نے علم بالقلم کی تفسیر میں علم بالقلم لکھا ہے یعنی قلم سے خط لکھنا سکھایا اور تفسیر جلالین ومدارک میں بھی یہی ہے علم بالقلم کی تفسیر میں صاحب خازن لکھتے ہیں ۔

اي الخط والكتابة التي بها تعرف الامور
الغائبة وفيه تنبيه على فضل الكتابة
لما فيها من المنافع العظيمة لان بالكتابة
ضبطت العلوم ودونت الحكم وبها عرفت
اخبار الماضين واحوالهم وسيرهم
ومقالاتهم ولولا الكتابة ما استقام
امر الدين والدنيا ۔

(ترجمہ) یعنی قلم سے خط وکتابت کی تعلیم دی جس سے غائب امور پہچانے جاتے ہیں اور اس میں کتابت کی فضیلت پر تنبیہ ہے کیونکہ اس میں بڑے بڑے منافع ہیں کتابت سے علوم ضبط کئے گئے اور حکمتیں مدون کی گئیں اور اسی سے گزشتہ لوگوں کے اخبار واحوال سیر ومقالات معلوم کئے گئے اگر کتابت نہ ہوتی تو دین دنیا کے کام درست نہ ہوتے ۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں قلم اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے
اگر قلم نہ ہوتا تو نہ دین قائم ہوتا نہ عیش درست ہوتا۔

ایک عالم سے کلام کی بابت پوچھا گیا تو کہا کلام ایک ہوا ہے جو باقی نہیں رہتی ہے۔ پھر اس سے پوچھا گیا کہ اس ہوا کو مقید کرنے کی ترکیب کیا ہے تو کہا کتابت کے ذریعہ سے اسے قید کر سکتے ہیں کیونکہ قلم زبان کا قائم مقام ہوتا ہے اور زبان قلم کی قائم مقام نہیں ہوتی۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی قرأۃ "علم الخط بالقلم" معانی مذکورہ کی تائید کرتی ہے۔ چنانچہ صاحب کشاف لکھتے ہیں وقرأ ابن الزبیر علم الخط بالقلم (ترجمہ) ابن زبیر نے علم الخط بالقلم کی قرأت کی ہے۔ علامہ علی مہائمی نے قلم کی تفسیر عقل اول سے کی ہے اور یہ معنی بیان کیا ہے کہ عقل اول میں ایک اشراق ہے۔ جو علم کا افاضہ کرتا ہے جیسا کہ آفتاب نور کا افاضہ کرتا ہے اور اس سے اشیاء ظاہر ہو جاتی ہیں لیکن ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی قرأۃ جمہور مفسرین کی تائید کرتی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ لکھنے والے کو جس کا تعلق دین سے یا اس لکھنے پڑھنے والے کو جس کو شریعت منافق نہیں کہتی ہے اصحاب میراں علیہ السلام نے ہرگز منافق نہیں کہا۔

اگر یہ کہا جائے کہ نوشت وخواند بعض امور کی جن کا تعلق دین سے نہیں ہے اس کے متعلق نفاق کا حکم افراط کی تعریف میں داخل ہوتا ہے کیونکہ منافقین کی تعریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار یعنی منافقین جہنم کے آخر درجہ میں ہیں علماء دین متین نے بہت سے علوم کی تعلیم پائی اور ان کے متعلق نوشت وخواند بھی کی مثلاً منطق فلسفہ مناظرہ حساب وغیرہ علوم جن کا تعلق ویسا دین سے نہیں ہے لیکن ان کے متعلق کسی نے منافق ہونے کا فتویٰ دیا ہو ثابت

نہیں ہوتا بعض اصحاب کا لکھنا پڑھنا شروع کرنے والے کو منافق کہنا ایک ایسی زیادتی ہے جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے ابھی اس سے پہلے ثابت کیا ہے کہ مہدویہ سلف سے خلف تک لکھتے پڑھتے آئے امام علیہ السلام کے متبعین اس حیثیت سے کہ مذہب اسلام کے مبلغ تھے دنیا کے ہر گوشے میں اسلام کی تبلیغ کرتے پھرتے تھے چنانچہ شیخ علائی شیخ مبارک ناگوری رح شیخ مصطفےٰ رح عبدالملک سجاوندی رح رحمہم اللہ اجمعین اسلام کے مبلغ تھے۔ ایک عالم کو مبلغ ہونے کی حیثیت سے ہر قسم کے علم وفن اور نوشت وخواند کی ضرورت ہوتی ہے مخالفین کے دلائل کو توڑنے کے لئے ہر اس علم وفن سے واقفیت ہونے کی ضرورت ہوتی ہے جس کا استعمال اس نے اپنی دلیل میں لیا ہے مثلاً اگر کوئی سائینس کی اصطلاحات کا ذکر اپنی دلیل میں کیا ہو تو مبلغ اس کے علم کے بغیر اپنے مخاطب کی صحیح تفہیم نہیں کر سکتا علم منطق تو مبلغ کے لئے ایک لازمی حربہ ہے علماء اسلاف مہدویہ کی تحریرات میں متعدد علوم وفنون کی بحثیں نظر آتی ہیں اس لئے بر بنائے نقل مذکور یہ نہیں کہہ سکتے کہ بعض یاران مہدی علیہ السلام نے کسی ایسے لکھنے پڑھنے والے کو منافق کہا ہو جس کے نوشت وخواند کا تعلق علم دین یا ان علوم سے ہو جو علوم دینیہ کی تائید کرتے ہوں علاوہ بریں نفاق کا لفظ ریاکاری کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے اس لحاظ سے منافق کا معنی ریاکار ہوگا چنانچہ صاحب لسان العرب نے ایک حدیث شریف نقل کرکے نفاق کا معنی ریاکاری لیا ہے لسان العرب کی عبارت بجنسہ درج کی جاتی ہے وہ یہ ہے۔

وفی الحدیث اکثر منافقی ھذہ الامۃ
قراءھا اراد بالنفاق ھھنا الریاء
لان کلاھما اظہار غیر ما فی الباطن

(ترجمہ) اور حدیث میں وارد ہے کہ اس امت کے اکثر منافقین

قرائی ہیں یہاں نفاق سے مراد ریا ہے کیونکہ نفاق اور ریا دونوں
ظاہر کرنا ہے برخلاف اس چیز کے جو باطن میں ہے ۔

اس صورت میں نقل شریف کا معنی یہ ہوگا کہ جب طالب مولیٰ کچھ لکھنا پڑھنا (بطور ریاکاری) کے شروع کرتا تھا تو بعض یاران میراں علیہ السلام فرماتے تھے کہ ریاکار ہے نوشتہ کرتا ہے دائرہ سے بھاگنے کے لئے پڑھتا ہے یہی معنی زیادہ صحیح ہے کیونکہ حدیث شریف سے بھی اس کی مطابقت ہوتی ہے پس ثابت ہوا کہ بعض یاراں میراں علیہ السلام کا قول موافق حدیث شریف کے ہے ف هو المطلوب ۔

حضرت بدر منیر بندگی سید خوندمیر رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک تصنیف موسوم بہ المعیار میں وعادی کے اثبات میں آیات قرآنی اور مفسرین سابق رحمہم اللہ کی تحریرات کے حوالے جابجا دیئے ہیں مثلاً تفسیر زاہدی کا قول نقل فرمایا ہے کہ وہ ذکر دوام کو فرض لکھتے ہیں اسی طرح دیگر دعادی کے اثبات میں تفسیر دیلمی و مدارک کا حوالہ دیا ہے اس سے ثابت ہے کہ جناب صدیق ولایت رضی اللہ عنہ تفاسیر کلام اللہ کا مطالعہ فرماتے تھے اس سے بھی نقل شریف مذکور کا معنی وہی معلوم ہوتا ہے جو اس سے پہلے بیان کیا گیا ۔

ایک جگہ اسی کتاب باصواب میں تحریر فرماتے ہیں ۔

"تا قیامت ہر کہ پیروی انبیاء علیہ السلام کند آنکس ہرگز از ایذائے خلق بیرون نیاید و چوں یاراں سید محمدؑ نیز ازیں قبیلہ باشند کہ پیروی حضرت مصطفیٰ علیہ السلام کنند ناچار باایشاں ہم خلق مخالف کند و ایذا رسانند و بصفت ناسزا نسبت کنند چنانچہ شخصی از اشخاص میگوید کہ یاراں سید محمد ہمہ کتب را منکر اند و تفسیر قرآں برائے خودمی کنند و کسب را حرام میدارند و تمام کلمہ را نمی گویند و ہر یکی ازایشاں دعوئ رویت میکنند و مینی را آلۂ ذکر ساختہ اند و ایں صفتہا کہ با یاراں مہدیؑ

نسبت کردہ است محض دروغ و خطا است زیرا چہ ایشاں طالبان حق اند و از جہت طلب حق نظر در ہمہ کتب میکنند و آں قول کہ موافق کتاب خدا و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم می باشد بر آں عمل میکنند ۔

(ترجمہ) جو شخص انبیاء کی پیروی کرے گا مخلوق اس کو ہمیشہ ایذا پہنچاتی رہے گی ۔ سید محمدؑ کے اصحاب رضؓ بھی اسی قبیل سے ہیں کہ حضرت مصطفیٰ علیہ السلام کی پیروی کرتے ہیں پس ناچار خلق ان کے ساتھ بھی مخالفت کرتی ہے اور ان کو ایذا پہنچاتی ہے ۔ اور ایسی باتیں جو ان کے شایان شان نہیں ہیں ان کی طرف نسبت کرتی ہے چنانچہ ایک شخص کہتا ہے کہ سید محمدؑ کے اصحاب تمام کتابوں کے منکر ہیں اور قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرتے اور کسب کو حرام جانتے ہیں اور پورا کلمہ نہیں پڑھتے ہیں ان میں سے ہر ایک رویت کا مدعی ہے اور ناک کو ذکر کا آلہ قرار دیا ہے یہ تمام باتیں جو اصحاب مہدی علیہ السلام کی طرف منسوب کی ہیں محض جھوٹ اور خطا ہے کیونکہ یہ حق کے طالب ہیں طلب حق کے لئے تمام کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں جو قول کتاب خدا اور رسول کے موافق ہوتا ہے اس پر عمل کرتے ہیں اس کے بعد کچھ آگے حضرت رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں ۔

"بداں اے عزیز کہ ایشاں ذات کسب را حرام نمیدارند لیکن درمیان خویش میگویند کہ طالب حق را باید کہ در ہر کارے کہ مشغول شود بانصاف نظر کند اگر آں کار از ذکر حق را و توجہ سوئے حق را مانع شود آنرا ترک و ہدو حرام کردہ اند بلکہ بت خود پندارد کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما شغلك عن الله فهو صنمك ای فهو طاغوتك "

(ترجمہ) پس جان ای عزیز کہ وہ ذات کسب کو حرام نہیں رکھتے لیکن اپنے

درمیان کہتے ہیں کہ طالب حق کو چاہئے کہ جس کام میں مشغول ہووے انصاف
سے نظر کرے کہ اگر وہ کام ذکر حق کا اور توجہ الی اللہ کا مانع ہوئے تو اس کو ترک
کر دے اس کے بعد کسب کی فضیلت یوں ظاہر فرماتے ہیں ۔

"پس ہر چند کہ بیع و شرا و مزارعات و اجارات و کسب در
شرع حلال است لیکن حق تعالیٰ در حلال کردن ایں چیز ہا
محباں خود را آزمودہ است چنانچہ فرمود سبحانہ تعالیٰ در حق
یاراں مصطفےٰ ع از قصہ جنگ بدر آنجا کہ کافراں ہزیمت
خوردند و مومناں بہ غنیمت رسیدند کہ حلال طیب است
قولہ تعالیٰ ولیبلی المومنین منہ بلآء حسناً"

(ترجمہ) پس ہرگاہ کہ بیع و شرا و زراعت اور اجارے اور کسب شرع میں حلال
ہے لیکن حلال کرنے میں ان چیزوں کے حق تعالیٰ نے اپنے دوستوں کی آزمائش کی ہے چنانچہ
جنگ بدر میں جب کفار کو ہزیمت ہوئی اور مومنین نے غنیمت پائی اس کو حلال طیب
فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "تاکہ آزمادی مومنوں کو اچھا آزمانا" اس کے بعد
کچھ آگے تحریر فرماتے ہیں "از حلال گزشتن کار ہر کسی نیست بلکہ ایں خلاصہ یاراں حضرت
مصطفےٰ علیہ السلام است و بعضی تابعان وی است کہ انچہ ورائے ذات خدا است
آنرا پس پشت خود انداختند و بغیر خدائے مشغول بچیزے نشوند" (ترجمہ) حلال سے
گزرنا یعنی کسب و زراعت و تجارت وغیرہ کو چھوڑ دینا ہر شخص کا کام نہیں ہے بلکہ
یہ خاصہ اصحاب حضرت مصطفےٰ علیہ السلام اور ان کے بعض تابعین کا ہے جو ماسوئے
اللہ کو پس پشت ڈالدیتے ہیں اور خدا کے بغیر کسی چیز میں مشغول نہیں ہوتے حضرت
بندگی سید خوندمیر رضی اللہ عنہ کی تحریر پر تنویر سے ظاہر ہے کہ اصحاب میراں علیہ السلام
کے تمام کتب کا مطالعہ فرماتے تھے اور ترک کسب ہر شخص کا کام نہیں ہے یہاں ہم کو
صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ اصحاب میراں علیہ السلام کے تمام کتب کا مطالعہ کرتے
تھے اور جو قول موافق کتاب خدا و قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو اس پر عمل کرتے

تھے باقی امور پر ملکہ عبادت کے تحت انشاء اللہ تفصیلی بحث کی جائے گی۔

حضرت میراں علیہ السلام کے متبعین کا دائرہ نہ صرف ڈھونڈاڑ و گجرات
تک محدود رہا بلکہ ہندوستان کے مشرقی و مغربی شمالی و جنوبی مقامات کے علاوہ ایران
و افغانستان و سندھ میں بھی آپ کے متبعین کی کثیر تعداد تھی ہم یہاں صرف
بعض علماء کبار کی فہرست دیتے ہیں جنھیں خاص میراں علیہ السلام کے دست مبارک
پر بیعت کا شرف حاصل تھا اور یہ حضرات مختلف ممالک کے تھے

علماء سندھ جناب مولانا علامۃ العصر صدر الدین سندھی
رضی اللہ عنہ و جناب مولانا قاضی قاضن
سندھی رضی اللہ عنہ،

علماء خراساں قدوۃ العلماء مولانا شیخ الاسلام خراسانی رضی اللہ عنہ
و جناب مولانا قاضی قاذن خراسانی رضی اللہ عنہ
جناب افضل العلماء مولانا ملا علی فیاض خراسانی رضی اللہ عنہ جناب مولانا
مخدوم خراسانی رضی اللہ عنہ، جناب مولانا ملا علی گل خراسانی رضی اللہ عنہ
جناب مولانا شیخ صدر الدین خراسانی رضی اللہ عنہ جناب مولانا میر کمال شاہ
خراسانی رضی اللہ عنہ جناب مولانا ملا درویش محمد خراسانی رضی اللہ عنہ جناب
مولانا حاجی محمد فرہی خراسانی رضی اللہ عنہ جناب مولانا حاجی زاہد خراسانی رضی اللہ عنہ
جناب مولانا عبد الغنی خراسانی رضی اللہ عنہ جناب مولانا محمد شروانی خراسانی رضی اللہ
جناب مولانا میاں محمود خراسانی رضی اللہ عنہ، جناب مولانا عبد الشکور خراسانی رضی اللہ عنہ
جناب مولانا مولوی گل خراسانی رضی اللہ عنہ جناب مولانا قیصر خاں خراسانی رضی اللہ عنہ
جناب مولانا پیر محمدؒ خراسانی رضی اللہ عنہ جناب مولانا قاضی نجن خراسانی رضی اللہ عنہ

علماء قندھار جناب مولانا شہ بیگ ارغون بن میر ذوالنون قندھاری رض

علماء شروان جناب مولانا ملا علی شروانی رضی اللہ عنہ جناب مولانا پیر محمدؒ شروانی رض

شیراز جناب مولانا علامہ علاؤ الدین شیرازی رضی اللہ عنہ آپ کئی سال حرم محترم میں رہ کر درس دیتے رہے۔

علماءِ گجرات جناب مولانا لاڈشہ گجراتی رضی اللہ عنہ جناب مولانا یوسف سہیت گجراتی رضی اللہ عنہ جناب مولانا تاج سہیت گجراتی رضی اللہ عنہ جناب مولانا عبد الرشید گجراتی رضی اللہ عنہ جناب مولانا صلاح الدین گجراتی رضی اللہ عنہ، جناب مولانا ملک جی مہری رضی اللہ عنہ،

علماءِ دہلی جناب مولانا شاہ عبد المجید نوری دہلوی رضی اللہ عنہ،

جناب مولانا شاہ امین محمد دہلوی رضی اللہ عنہ، جناب مولانا شاہ ابو محمد دہلوی رضی اللہ عنہ۔

ہمدان جناب مولانا عبد الصمد ہمدانی رضی اللہ عنہ

علماءِ بیدر علاقہ دکن جناب مولانا قاضی علاؤ الدین بدری رضی اللہ عنہ

جناب مولانا قاضی ضیاء الدین بدری رضی اللہ عنہ جناب مولانا قاضی منتجب الدین بدری رضی اللہ عنہ مصنف مخزن الدلائل جناب مولانا شیخ مومن توکلی بدری رضی اللہ عنہ

علماءِ احمد آباد جناب مولانا احمد شاہ قدن رضی اللہ عنہ احمد آبادی رضی اللہ عنہ

جناب مولانا ابوجی حافظ احمد آبادی رضی اللہ عنہ

مانڈو جناب مولانا الہ داد بن حمید رضی اللہ عنہ علاوہ ان حضرات کے جناب مولانا حسن رضؓ جناب مولانا ناصر الدین رضی اللہ عنہ جناب مولانا قاضی زکریا بہلوی رضی اللہ عنہ، جناب مولانا محمد روح اللہ رضی اللہ عنہ جناب مولانا زین الدین بہکوی رضؓ

جناب مولانا قاضی ضیاء الدین بہٹی رضی اللہ عنہ، جناب مولانا من اللہ رضی اللہ عنہ جناب مولانا قاضی قاضن بہکری ابن قاضی ابو سعید بن قاضی زین الدین بہکری رضی اللہ عنہ، جناب مولانا مرزا شاہین بہکری رضی اللہ عنہ، جناب مولانا شیخ الیاس دوکری رضی اللہ عنہ، یہی وہ علماء کبار ہیں جنھیں حضرت امام علیہ السلام کے دستِ مبارک پر بیعت کا شرف حاصل ہے مخصوصاً میراں علیہ السلام کے بیعت شدہ بھی بڑے بڑے نامور علماء گزرے ہیں جن میں سے چند کے اسماء گرامی درج کئے جاتے ہیں۔

مولانا شیخ ابو الفتح گجراتی خلیفہ شاہ نظام الدین رضؓ عالم باللہ مولانا عبد الملک سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ شاہ دلاور رضی اللہ عنہ مصنف سراج الابصار مولانا عبد الرحمٰن سجاوندی مولانا شیخ علائی مولانا شیخ مصطفےٰ گجراتی مولانا شیخ میاں براری خلیفہ شاہ دلاور رضی اللہ عنہ مولانا شیخ برہان الدین خلیفہ جناب ملک الہہ داد رضی اللہ عنہ (از سوانح مہدی موعود علیہ السلام مولفہ سید ولی صاحب رحمۃ اللہ) جناب ابو الکلام آزاد نے اپنے تذکرہ میں شیخ علائی رحمۃ اللہ کے پیرِ طریقت حضرت عبد اللہ خاں نیازی رحمۃ اللہ علیہ افغان کے محاسن و فضائل پر تبصرہ فرمایا ہے جس سے ان کے فضائل علمی و عملی کا اظہار ہوتا ہے۔ اور بعض مورخین نے آپ کے وعظ و تبلیغ کا بطور خاص ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مبلغین مہدویہ میں آپ کو خاص شہرت اور امتیاز حاصل ہے۔ آپ کی تالیفات (۱) قربۃ الی اللہ (۲) مراۃ الصفا (۳) صراط قدیم ہیں۔

برار سے اٹھی ہوئی ایک فضیلت مآب ہستی بھی قابل ذکر ہے جن کا نام نامی شیخ بھائی تھا۔ بڑے جید عالم و فاضل تھے مہدویت کی وجہ سے کئی بار آپ کا اخراج ہوا مذہب مہدویہ کی تبلیغ فرماتے تھے بالآخر زمانہ نے انھیں تنگ کر دیا تو اپنے دائرہ سمیت ملیبار تشریف لے گئے وہاں آپ کے

مواعظ حسنہ کا چرچا جا بجا ہونے لگا اور لوگ کثرت کے ساتھ آپ کے معتقد اور تصدیق مہدی علیہ السلام سے مشرف ہوئے وہاں ایک عرصہ تک آپ نے اقامت فرمائی اور پھر مکہ معظمہ کا ارادہ فرمایا اپنے تمام اہل وعیال اور فقراء دائرہ کے ساتھ مکہ معظمہ گئے مکہ معظمہ میں ایک سال اقامت فرمائی اور وہاں مہدی موعود کی تصدیق پر لوگوں کو بلاتے رہے مکہ معظمہ میں آپ کے اور شیخ علی متقی کے مباحثے رہے شیخ مذکور آپ کی قوۃ علمی ظاہری و باطنی کے معترف ہوئے آپ کا ارادہ تھا کہ مکہ معظمہ سے راست استنبول جاکر وہاں مذہب کی تبلیغ کریں لیکن مصارف زاد راحلہ میسر نہ ہونے سے اس میں کامیابی نہ ہوئی بیان کیا جاتا ہے کہ خود شیخ علی متقی نے زاد و راحلہ کے مصارف دے کر آپ کو مکہ معظمہ سے ہندوستان تک پہنچایا (از اسامی مصدقین) حضرت علامہ شیخ بھائی رحمہ اللہ کا ملیبار و ہند و عرب میں تبلیغ کرتے ہوئے استنبول کا ارادہ کرنا اس امر کا شاہد ہے کہ آپ کے علوم و فنون کی واقفیت کے علاوہ متعدد السنہ پر بھی عبور تھا۔

علامہ شیخ مبارک ناگوری والد ابوالفضل علامی و ملک الشعراء فیضی بھی مہدوی تھے ملاحظہ ہو مرآت عالم منتخب التواریخ تہذیب اخلاق جلد دوم قرآن مجید کی تفسیر منبع نفائس العلوم جو چار جلدوں میں ہے آپ کی مشہور تصنیف ہے بعض مورخین نے اس کی چودہ جلدیں ہونا بیان کیا ہے۔

حیواۃ الحیوان کا فارسی ترجمہ بھی فرمایا صرف ہوائی عربی کا قاعدہ شہنشاہ اکبر کی خاطر تدوین فرمایا خطیب ابوالفضل کازرونی اور ملا عمادی روحی سے گجرات میں علم حاصل کیا تھا ہمیشہ علوم دینیہ کی درس و تدریس کا شغل تھا فن شعر اور معمار وغیرہ اور سارے فضائل خصوصاً علم تصوف کو خوب سیکھا تھا شاطبی حفظ تھی قرآن مجید قراءت عشرہ سے پڑھتے تھے پچاس سال آگرہ میں درس و تدریس میں گزارے ۱۷ ذی قعدہ ۱۰۰۱ھ میں گردن کے پھوڑے کی علالت سے انتقال فرمایا جمنا کے کنارے جو بابر نے چار باغ بنایا تھا اس میں مدفون ہوئے (از آئین اکبری)

الغرض مہدویہ میں بڑے بڑے عالم ہوئے امامنا مہدی موعود علیہ السلام کی تعلیم و تلقین کا جو مبنی بر ملکہ شفقت تھی یہ منشاء بھی یہی تھا کہ بندگان خدا علم کا اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ حاصل کریں۔

توکل و شجاعت

حضرت امام الابرار سیدنا مہدی موعود علیہ السلام کے شمائل کریمہ میں آپ کی متوکلانہ زندگی کو بڑی خصوصیت حاصل ہے قرآن شریف میں جا بجا توکل کی فضیلت کا اظہار کیا گیا ہے اور آیۃ کریمہ ان اللہ یحب المتوکلین سے ظاہر ہے کہ اللہ جل شانہ نے متوکلین کو اپنی محبوبیت کی خلعت سے سرفراز فرمایا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک کے ہر لمحہ میں توکل علی اللہ کی شان نظر آتی ہے جو سیرت کریمہ کے واقفوں سے مخفی نہیں ہے اسی طرح امامنا مہدی علیہ السلام کی زندگی کا ہر لمحہ بموجب "یقفو اثری ولا یخطی" توکل علی اللہ کے ساتھ گزرتا تھا۔
آپ کی سیرت مبارکہ سے چند حالات ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں جن سے ہمارے بیان کی تصدیق ہو جائے گی۔

مولود حضرت بندگی میاں شاہ عبدالرحمٰن رحمہ اللہ میں مرقوم ہے کہ سلطان حسین شرقی رحمہ اللہ شاہ جونپور جو مرتبہ میں ولی کامل اور امیر عادل کے تھے آنحضرت (امام مہدی علیہ السلام) سے بہت اخلاص اور اختلاط رکھتے تھے اس قدر کہ بغیر اس سید الاولیاء کی ملاقات کے دم نہ بھرتے اور اس ذات عالی درجات کے تلقین یافتہ بھی تھے بجز حضرت میراں علیہ السلام کی اجازت کے کبھی جنگ نہ کرتے بلکہ روح رسول اللہ سے معلومیت کے بغیر حرب نہ کرتے اسی طرح سات جنگیں کیں کہ پہلے حضرت میراں علیہ السلام کو معلوم ہو جاتا اس کے بعد سلطان حسین کو بھی آگاہی ہو جاتی (از مولود شریف) ایک دن سلطان وعظ و نصیحت سننے کے ارادہ سے آئے آنحضرت نے دینی نصیحت شروع فرمائی اس وعظ میں فرمایا کہ مطیع الاسلام ہونا جائز ہے لیکن مطیع کفر ہونا جائز نہیں ہے اس نصیحت

سے سلطان حسین دلگیر ہوئے کیونکہ وہ بادشاہ کافر کے باج گذار تھے۔ ۶ص کی
حضرت نے جو کچھ فرمایا حق ہے لیکن ہم معذور ہیں کہ وہ بادشاہ اپنی قوت اور
شوکت کے غلبہ سے تمام مسلمانوں کو تاخت و تاراج کرتا ہے اس وقت اگر میراں
علیہ السلام ہمارے پر دست کرم رکھیں تو میں بادشاہ کافر کا مطیع ہرگز نہ ہوگا۔
آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے دین کی آپ نصرت کرے گا سلطان نے نصرت
دین کی امید سے چند لاکھ تنکہ زر غازیوں کی تیاری کے لئے آنحضرت کے حضور میں حاضر
کیا اور کہا کہ رسول اللہ علیہ السلام نے غازیوں کی تیاری کے لئے قبول فرمایا ہے اور
کئی ایک لائق جنگ آدمی آنحضرت کی خدمت میں متعین کئے کہ خدمت شریف
میں حاضر رہیں نیز ایک دن روح رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم
ہوا کہ اقلیم گوڑ کی فتح تمہارے حصہ میں ہے۔ سلطان مذکور کو بھی آگاہی ہوئی کہ گوڑ کی
فتح ہے اس کے بعد حضرت میراں علیہ السلام اور سلطان گوڑ کی جانب منتقل ہوئے وہاں
شاہ کافر سخت اور صاحب باس شدید تھا۔ جس کا نام دلپت رائے تھا قریہ محضہ
سے آگے ہو کر ستر کوس کی مقدار میں مقابلہ کرتا تھا۔

تین لاکھ جنگی کاردیدہ سواروں کے ساتھ آراستہ ہو کر اور بروایت
شواہد الولایت ستر ہزار سواروں کے ساتھ قلعہ سے تین میل آگے آکر ایسا مقابلہ
کیا کہ سلطان کے لشکر کو شکست ہوگئی مگر حضرت تین سو تیرہ نفوس بروایتے
پندرہ سو نفوس کے ساتھ برابر لڑے رہے بارہا بادشاہ نے آدمی بھیجے کہ ہم کو شکست
ہو گئی۔ حضرت آجاویں فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ آج ہماری فتح ہے آپ تھوڑی
دیر ٹھیر جائیے جب دلپت رائے کا علم قریب پہونچا تو حضرت امام علیہ السلام نے
نصر من اللہ فتح قریب پڑھ کر گھوڑے بڑھائے جوں ہی آگے
بڑھے ایک ہاتھی سینگلی (سنگل دیپ کا) جس کا رنگ سفید اور بہت دلیر
تھا سونڈ میں زنجیر گراں زر کی لے کر اعدا کے گھوڑوں کو شکست دیتا تھا حضرت
میراں علیہ السلام کو اپنے سامنے دیکھ کر حملہ کیا حضرت نے بسم اللہ فرما کر ایک تیر تیار جو

اس پر چلایا کہ اس ہاتھی کے سر میں پورا ڈوب گیا صرف اس کا سوفار نظر آتا
تھا ہاتھی منہ پلٹا کر گرا اور مر گیا حضرت میراں علیہ السلام عاشقان مولیٰ واصلان
حق اور قاتلان کفار نے موافق۔

"کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ
باذن اللہ واللہ مع الصابرین
ویقولون ربنا ثبت اقدامنا وانصرنا
علی القوم الکافرین فھزموھم"
کتنی ایک تھوڑی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غالب آگئیں
اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور اللہ صابروں کے ساتھ ہے اور کہتے
ہیں اے رب ہمارے ثابت رکھ ہمارے قدموں کو اور قوم کافرین
پر ہماری مدد فرما" ان کو شکست دی۔

وقتل المھدی للکافرین شدید
لا یلتفتون بعضھم الی بعض ولا یرجع
صغیر الی کبیر ولا یرجع کبیر الی
صغیر"

اور قتل کرنا مہدی کا کافروں کو سخت ہے نہ پلٹیں گے بعض بعض
کی طرف اور نہ پلٹیگا چھوٹا بڑے کی طرف اور نہ پلٹیگا بڑا
چھوٹے کی طرف" (صادق آیا)
دلپت راؤ مذکور قلعہ کے نزدیک آکر واپس ہوا اس کا مقابلہ حضرت میراں علیہ السلام
سے ہوا شمشیر حضرت میراں علیہ السلام پر چلائی لیکن حضرت کے گھوڑے کی گردن
پڑی حضرت نے تیغ نیام سے کھینچ کر اس کے شانہ پر وار کیا دو ٹکڑے ہو کر اس طرح
گرا کہ اس کا دل بھی دو نیم ہو کر باہر نکل پڑا۔ کقولہ تعالیٰ فقطع
دابر القوم الذین ظلموا والحمد للہ رب العالمین

اس بت کے نقش کا اثر جس کی اس نے پرستش کی محتی ظاہر ہوا تھا اور آواز اس کی جان سے اس بت کے نام نکلی۔

جب حضرت نے وہ نقش دیکھا اور وہ آواز سنی تو صفائی باطن کی وجہ سے جو قرب حضرت صمدیت کی جلا سے متجلی تھا عبرۃ اور دقیقہ کشائی میں مصروف ہوئے اسی وقت آپ پر ایک حالت طاری ہوئی کہ کافر کے دل پر جھوٹ نے اتنا اثر کیا ہے تو وہ نقش جو حق ہے مومن کے دل پر کس قسم کا اثر کرے گا اس وقت حضرت صمدیت سے فرمان ہوا کہ "اے سید محمدؐ ہم نے تجھے اس لئے نہیں پیدا کیا تو گھوڑوں پر سوار ہوئے اور دنیا کے کروفر میں رہے بلکہ ہم نے خاص اپنی ذات کے لئے پیدا کیا ہے حاصل یہ کہ حضرت گھوڑے پر سوار تھے اس سے اتر گئے اور زمین پر آ گئے جب یہ خبر سلطان کو پہونچی کہ حضرت میراں علیہ السلام جذبۂ حقانی کے سکر میں بیہوش پڑے ہیں تو خود آیا اور دیکھا کہ حضرت زمین پر آ گئے ہیں اس وقت پانچ اولعزموں (بڑے عہدہ داروں) نے آکر حضرت امیر کو استادہ کیا سلطان نے حضرت کا ہاتھ پکڑ کر اپنی سکھاسن (پالکی) میں لٹایا تمام لوازم شاہانہ اور علم دولت حضرت میراں علیہ السلام کے ساتھ رکھا اور کہا کہ یہ فتح حضرت میراں علیہ السلام کی ہے۔ اس وقت حضرت میراں علیہ السلام پر حال ایسا غالب آیا کہ اس عالم کی کوئی آگاہی نہ رہی سات سال تک یہی حالت تھی مگر فرض نماز اور روزے ادا کرتے اور بجز فرض کے سنت و واجب سے کوئی آگاہی نہ رکھتے اور چند لاکھ تنکۂ زر جو غازیوں کی تیاری کے واسطے لئے تھے واپس فرمائے اور یہ فرمایا کہ اب اس متاع کی حاجت نہیں ہے شاہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ چند لاکھ تنکۂ زر جو غازیوں کے لئے میں نے گذرانے تھے واقعی آنحضرت کے لائق نہیں اس لئے سات بڑے اور آباد قصبوں کی سند بطور وظائف کے لکھ کر قاضی محمد علی کے ذریعے پیش کی حضرت نے عتاب کے ساتھ زجر فرمایا اس لئے قاضی صاحب سند نہ گذران سکے اور واپس ہو گئے اور شاہ سے عرض کی کہ حضرت میراں علیہ السلام ہماری طرف مطلق التفات نہیں فرماتے ہیں

شاید اس لئے دلگیر ہوئے ہیں کہ حضور تشریف نہیں لے گئے ہیں کہ بادشاہ اٹھا اور حضرت میراںؑ کی ملازمت کا شرف حاصل کیا اور یہ ارادہ کر لیا کہ اگر حضرت میراں علیہ السلام سلطنت قبول فرمائیں تو وہ بھی پیش کر دوں گا جب بادشاہ کی نظر حضرت میراں علیہ السلام پر پڑی تو آنحضرت کے وجود مسعود سے کسی چیز کا مقصود نہ پایا بلکہ آپ کو ایک دوسری حالت میں پایا اس وقت آنحضرت کے سامنے شاہ نے یہ رباعی پڑھی۔

آنکس کہ ترا یافت جاں راچہ کند
فرزند و عیال و خانماں راچہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہاں را بد ہی
دیوانۂ تو ہر دو جہاں راچہ کند

جنت الولایت میں مرقوم ہے کہ جس وعظ میں میراں علیہ السلام نے حسین شرقی سے فرمایا تھا کہ مطیع الکفر ہونا جائز نہیں ہے اس سے پہلے ایک دن ملازمت اقدس کا شرف حاصل کر کے عرض کیا تھا کہ حضرت اگر اپنے اہل و عیال کے لئے کچھ مدد معاش قبول فرمائیں تو بندہ بہت ممنون ہوگا۔ یہ معروضہ کئی مرتبہ کیا اور آنحضرت نے قبول نہ فرمایا۔ ابتدائی حالات کے بعد جنت الولایت میں جنگ کا واقعہ اس طرح مرقوم ہے کہ سلطان حسین شرقی نے نصرت دین کی امید پر چند تنکۂ غازیوں کی تیاری کے لئے آنحضرت کے حضور میں حاضر کیا اور کہا رسول علیہ السلام نے غازیوں کی استعداد کے لئے قبول فرمایا ہے حضرت بھی قبول فرمائیں کیونکہ اتباع رسول علیہ السلام ہے بنا بریں میراں علیہ السلام نے قبول فرمایا اور حضرت میراں علیہ السلام کے پاس کچھ لوگ متعین کرائے کہ خدمت میں حاضر رہیں کچھ مدت یوں ہی زمانہ گزرا اس کے بعد کافر بادشاہ نے اپنے لوگوں کو سلطان حسین شرقی کے پاس بدستور قدیم مالگزاری کے لئے بھیجا حسین نے انکار کیا اور تغافل کیا اس کے بعد بادشاہ کافر اپنے تمام لشکر کے ساتھ حسین شرقی

کے ملک کا رخ کیا اور کہا کہ اس کے ملک کو ویران کردوں گا اور تمام مسلمانوں کو تاخت وتاراج کردوں گا جب کافروں کا بادشاہ ان کے شہر کے پاس آیا تو سلطان حسین پریشان ہوئے اور سارے شہر میں تفرقہ اور خطر رونما ہوا اس وقت سلطان حسین نے حضرت میراں علیہ السلام کے سامنے آکر واقعہ عرض کیا اور کہا کہ یہ وہ وقت ہے کہ تمام اہل اسلام کافر کی بند میں گرفتار ہوجائیں گے جب یہ تفرقہ سلطان کی زبان سے سنا تو حضرت میراں علیہ السلام اپنے یاروں کے ساتھ جو گنتی میں تین سو تیرہ تھے بنصرت دین کے لئے اعدائے دین کی طرف بڑھے حسین شرقی بھی اپنے لشکر کے ساتھ میراں علیہ السلام کے عقب سوار ہوا جب میراں علیہ السلام اپنی جماعت کے ساتھ لشکر کفار سے مل گئے تو ایک ہاتھی کافروں کی جماعت کے سامنے تھا جس کا بادشاہ کافر متعاکف تھا اول حضرت میراں علیہ السلام نے اپنی فوج سے نکل کر دست مبارک سے ہاتھی کے سر پہ نیزہ مارا ہاتھی منہ پلٹا کر بھاگ گیا ہاتھی کے بھاگنے سے کافروں کو ہزیمت ہوئی اور بادشاہ حضرت میراں علیہ السلام کا زیر دست ہوا حضرت میراں علیہ السلام نے اپنے مبارک ہاتھ سے اس کافر کو قتل کیا جیسا کہ داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا تھا جس وقت حضرت میراں علیہ السلام نے بادشاہ کفار کو زخمی کیا تو اس کا دل بدن سے باہر آیا وہ کافر جس بت کا عاشق تھا اس کا دل اپنے معشوق کی صورت میں ہوگیا تھا جب یہ معاملہ حضرت میراں علیہ السلام نے ظاہر دیکھا تو حضرت میراں علیہ السلام میں حالات کمال پیدا ہوئے اور اپنے دولت خانہ کا رخ فرمایا لیکن دولت خانہ نہ آئے بلکہ شہر مذکور کے باہر باغ میں رہ گئے جب سلطان شرقی اپنے مقام پر واپس ہوگئے تو حضرت میراں علیہ السلام نے مبلغ چند لاکھ تنکہ جو غازیوں کی تیاری کے واسطے لئے تھے تمام واپس فرمادیا اور یہ کہلا بھیجا کہ اب اس متاع کی حاجت نہیں ہے سلطان شرقی کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا اور اپنی مجلس میں بھی اس خیال کا اظہار کیا کہ واقعی یہ مقدار جو غازیوں کے استعداد کے لئے دی گئی ہے آنحضرت کے لائق نہیں ہے بناء براں

بہت کچھ مبلغ اور دینوی سامان تیاری ذات مبارک کے پاس بھجوادیا اور اس خوف سے کہ میں مقصر خدام والا ہوں کس طرح جاوں خود حاضر خدمت نہ ہوا جب میراں علیہ السلام نے فرستادہ متاع کی طرف کچھ بھی التفات نفرمائی تو شاہ کے لوگ سارا مال ومتاع واپس لے گئے اور عرض کی حضرت میراں علیہ السلام مطلق ہماری طرف التفات نہیں کرتے شاید بہت دلگیر ہوئے ہیں پھر سلطان مذکور نے دوچند مال ومتاع بھجوایا اور عرض کرائی کہ حضرت کو کیا پروا ہے یہ متاع صرف خدام بارگاہ کے اہل وعیال کے لئے ہے اس پر بھی حضرت میراں علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا شاہ کے لوگوں نے مال ومتاع واپس لے جاکر بادشاہ سے التماس کی کہ میراں علیہ السلام بہت دلگیر ہیں شاید اس وجہ سے کہ آپ خود نہیں گئے اس کے بعد شاہ نے خود ملازمت کا شرف حاصل کیا اور اس نیت سے گیا کہ اگر حضرت میراں علیہ السلام بادشاہی قبول کریں تو فوراً پیش کردوں گا۔ جب شاہ نے حضرت میراں علیہ السلام کو دیکھا تو آں حضرت کے وجود میں غیر کا مقصود نہ پایا بلکہ ایک دوسرا حال پایا سلطان نے اس وقت میراں علیہ السلام کے سامنے یہ رباعی پڑھی۔

آنکس کہ ترا یافت جاں را چہ کند
فرزند وعیال وخانماں را چہ کند
دیوانہ کنی ودوجہاں نش بخشی
دیوانۂ تو ہر دوجہاں را چہ کند

صاحب شواہد الولایت رحمۃ اللہ دلیت کے سواروں کی تعداد ستر ہزار بتاتے ہیں اور صاحب مطلع الولایت رحمۃ اللہ سلطان حسین شرقی کے سواروں کی تعداد تیس ہزار اور حضرت میراں علیہ السلام کے ماتحت فوج کی تعداد پندرہ سو لکھتے ہیں لیکن بندگی میاں شاہ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ اور مولانا منصور خاں رحمۃ اللہ تین سو تیرہ نفوس کے ساتھ میراں علیہ السلام کے دلیت کی فوج کو شکست دینے میں

متفق ہیں دلیپت کی فوج ستر ہزار اور سلطان حسین کی فوج تیس ہزار تین سو تیرہ یا روایتے اکتیس ہزار پانچ سو تھی جس سے دلیپت کی فوج تقریباً دگنی تھی ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

الآن خفف اللہ عنکم علم ان فیکم ضعفا
فان یکن منکم مائۃ صابرۃ یغلبوا
مائتین وان یکن منکم الف یغلبوا
مائتین باذن اللہ واللہ مع الصابرین

(ترجمہ) اب تخفیف کیا اللہ نے تم سے اور جانا کہ تم میں ضعف ہے۔ پس اگر ہوویں تم سے سو صبر کرنے والے غالب آویں دو سو پر اور اگر ہوویں تم سے میں سے ہزار غالب آویں دو ہزار پر حکم سے اللہ کے اور اللہ ساتھ صبر کرنے والوں کے ہے ۔

لیکن بروایت بندگی میاں شاہ عبدالرحمن رحمۃ اللہ دلیپت کی فوج تین لاکھ کی تعداد میں تھی اور سلطان حسین شرقی کی جملہ فوج تیس ہزار تین سو تیرہ کو دس میں ضرب دیا جائے تو تین لاکھ تین ہزار ایک سو تیس ہوتے ہیں اس روایت کے لحاظ سے ایک ایک مسلمان کا تقریباً دس، دس مشرکوں پر غالب آنا ثابت ہوتا ہے اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے ۔

ان یکو منکم عشرون صابرون یغلبوا
مائتین وان یکن منکم مایۃ یغلبوا
الفا من الذین کفروا بانہم
قوم لا یفقہون ۞

(ترجمہ) اگر ہوویں تم سے بیس صبر کرنے والے غالب آویں دو سو پر اور اگر ہوویں تم میں سے سو غالب آویں ہزار پر ان لوگوں سے کہ کافر ہوئے بسبب اس کے وہ قوم ہیں کہ نہیں سمجھتے ہیں ۔

تین لاکھ کی فوج کے ساتھ حملہ کرنا تعجب کی بات نہیں ہے ۔ کیونکہ دلیپت راؤ چاہتا تھا کہ مسلمانوں کو تاخت و تاراج کر دئے ۔ جب راجہ اس فاسد ارادے سے نکلا تھا تو تعداد کثیر یعنی تین لاکھ کی فوج کے ساتھ نکلنا قرین قیاس بھی ہے ریاست گوڑ کا رقبہ اس زمانہ میں اتنا وسیع تھا کہ جونپور کی جیسی بڑی ریاست بھی اس کی باج گزار تھی ۔ جب جونپور کا بادشاہ تیس ہزار کی مسلح فوج کے ساتھ آراستہ ہو سکتا تھا تو گوڑ کے راجہ کا اس سے دس گنی فوج کا فراہم کرنا بعید از قیاس نہیں ہے صاحب تفسیر حسینی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ شرط بمعنی امر ہے یعنی چاہیئے کہ ایک تم میں کا مقابلہ میں دس مشرکوں کے صبر اختیار کرے اور فرار نہ ہووے اس کے نزول کے بعد مومنین دس کے مقابلہ میں ایک مقابلہ کرنے سے خوفناک ہوے اور ان پر یہ امر گراں گزرا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی گرانباری کے نظر کرتے نازل فرمایا۔

الآن خفف اللہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفا فان یکن منکم مائۃ صابرۃ یغلبوا مائتین وان یکن منکم الف یغلبوا الفین باذن اللہ واللہ مع الصابرین ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب آیت ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین نازل ہوئی ان پر فرض کیا گیا کہ ایک دس سے نہ بھاگے اور نہ بیس دو سو سے بھاگیں پھر آیت الآن خفف اللہ عنکم الخ نازل ہوئی تو ان پر فرض کیا گیا کہ سو مسلمان دو سو کافروں سے نہ بھاگیں دوسری روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب آیت ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین نازل ہوئی تو یہ بات مسلمانوں پر شاق گزری تو آیت خفف اللہ عنکم الخ نازل ہوئی جب اللہ تعالیٰ نے ان سے گنتی کی تخفیف کر دی تو ان کے صبر کو بھی بہ مقدار تخفیف کے گھٹا دیا (از تفسیر خازن جلد دوم صـ ۲۶۵)

ابن جریح سے مروی ہے کہ ان پر واجب قرار دیا گیا تھا کہ ایک مسلمان دس کے مقابلہ میں ثابت قدم رہے اور فرار نہ ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حمزہ رض کو تیس سوار دیکر بھیجے تھے تو آپ کو ابوجہل سے جو تین سو سواروں کے ساتھ تھا مقابلہ کرنا پڑا تھا کہا جاتا ہے کہ پھر یہ امر ان پر گراں گزرا تھا تنگ آگئے اور یہ بات ایک مدت کے بعد ہوئی تو یہ امر ہلکا کر دیا گیا اور دو کافروں کے مقابلہ میں ایک مسلمان کو ثابت قدم رہنے اور نہ بھاگنے کا حکم ہوا بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ ابتدا میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی پھر جب بعد میں ان کی تعداد زیادہ ہوگئی تو ایک کے مقابلہ میں دس ثابت قدم رہنے کا بوجھ ہلکا کر دیا گیا یعنی تخفیف کی آیت نازل ہوئی (از تفسیر کشاف جلد دوم صفحہ ۲۸)

جنت الولایت میں امام علیہ السلام کا ہاتھی کے سر پر نیزہ سے مارنا اور مولود شریف میں سارچہ چلانا مرقوم ہے دونوں روایتیں صحیح معلوم ہوتی ہیں کیونکہ حضور نے تیر اس وقت چلایا ہوگا جب کہ ہاتھی کچھ دور ہوگا اور نیزہ اس وقت مارا ہوگا جبکہ وہ نزدیک آگیا ہوگا مطلع الولایۃ اور شواہد الولایۃ میں صرف تیر چلانے کا ذکر ہے۔

مولود بندگی شاہ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ میں راجہ کا دل بھی تن کے ساتھ دو نیم ہوکر تن سے باہر آنا مرقوم ہے جنت الولایۃ مطلع الولایۃ اور شواہد الولایۃ دل باہر آنے کی روایت میں متفق ہیں لیکن ان کتابوں میں دل کا دو نیم ہونا مذکور نہیں ہے۔

مولود بندگی شاہ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ میں دلیت کے تن سے باہر آئے ہوئے دل پر اس بت کے نقش کا اثر جس کی وہ پرستش کرتا تھا پیدا ہونا اور اس کی جان سے اس بت کے نام کی آواز نکلنا مذکور ہے چنانچہ مولود کی عبارت یہ ہے "حضرت تیغ از نیام کشیدہ بر کتف می زدند دو نیم شدہ بیفتاد طریقے کہ دل او بیرون آمدہ بود او ہم دو نیم شدہ بود کقولہ تعالیٰ فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمد للہ رب العالمین چونکہ نقش بت کہ او پرستش کردہ بود اثر آں پیدا شدہ بود و آواز از جانش برآمد کہ بنام آں بت مذکور چوں نقش و آں

آواز بحضرت معاینہ شد در عبرت و کشائی دقیقت بصفائے باطنی کہ بجلائے قربت حضرت صمدیت متجلی بود لقب نمودہ شد"

(ترجمہ) حضرت نے تیغ نیام سے کھینچ کر (اس کے شانہ پر مارے تھے کہ دو ٹکڑے ہوکر گر گیا اس طرح کہ اس کا دل باہر آگیا تھا وہ بھی دو ٹکڑے ہو گیا تھا مانند قول اللہ تعالیٰ کے پس کاٹ ڈالی گئی جڑ اس قوم کی جنھوں نے ظلم کیا اور تمام تعریف اللہ کے لئے ہے جو پروردگار عالمین کا ہے چونکہ نقش (اس) بت کا کہ اس نے پرستش کی تھی اثر اس کا ظاہر ہوا تھا اور آواز اس کی جان سے نکلی جو نام ہے اس مذکور بت کے تھی جب نقش اور آواز حضرت پر معائنہ ہوئی تو عبرت میں اور دقیقہ کشائی میں بسبب صفائی باطن کے جو حضرت صمدیت کی قربت کی جلاء سے متجلی تھا معروف ہوگئے۔

جنت الولایۃ کے الفاظ یہ ہیں "وقتیکہ حضرت میراں علیہ السلام بپادشاہ کفار زخم زدند دلش از بدن او بیروں آمد بر آں بت کہ آں کافر عاشق بود دل او بصورت معشوق خود شدہ بود چوں ایں معاملہ حضرت میراں ع دیدند و ان وقت حضرت میراں علیہ السلام را حالات کمال پیدا شد۔

(ترجمہ) جس وقت حضرت میراں علیہ السلام نے بادشاہ کفار پر زخم لگایا اس کا دل اس کے بدن سے باہر آیا جس بت کا وہ کافر عاشق تھا اس کا دل اپنے معشوق کی صورت میں ہوگیا تھا۔ جب یہ معاملہ حضرت میراں علیہ السلام نے دیکھا اس وقت میں حضرت میراں کے لئے حالات کمال پیدا ہوئے اور وہ بت جس کی وہ پرستش کرتا تھا ہاتھی تھا کیونکہ جنت الولایۃ کے الفاظ "اورا بادشاہ کافر متعاکف بود" (اس کے لئے بادشاہ کافر متعاکف تھا) ہیں کہ راجہ دلیت فیل یا تمثال فیل کی پرستش کرتا تھا۔ حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے باپ اور آپ کی قوم بھی تمثالوں کی پرستار تھی جس کی خبر اللہ جل شانہ دیتا ہے۔

اذ قال لابیہ وقومہ ما ھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون قالوا وجدنا اباءنا لھا عابدین ؁

جب کہا اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کیا ہیں یہ صورتیں (مجسمے) جن کے لیے اعتکاف کرنے والے ہو انہوں نے کہا ہم نے اپنے باپ دادوں کو ان کی عبادت کرنے والے پایا۔ (سورہ انبیاء پارہ ۱۷)

مولود بندگی شاہ عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ میں نقش اور آواز کا حضرت پر معائنہ ہونا اور حجت الولایۃ میں اس کامل بصورت معشوق ہونے کا معاملہ دیکھنا مذکور ہے معائنہ اور معاملہ ارباب طریقت کی اصطلاح میں سالک کامل کے قلب پر کسی امر کی حقیقت کے انکشاف کو کہتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت میراں علیہ السلام کی نگاہ حقیقت بین نے وہ نقش دیکھا تھا اور آپ کے گوش حقیقت نیوش نے وہ آواز سنی تھی۔ اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے۔

واذا قرأت القرآن جعلنا بینک وبین الذین لا یؤمنون بالآخرۃ حجابا مستورا وجعلنا علی قلوبھم اکنۃ ان یفقھوہ وفی آذانھم وقرا

(ترجمہ) اور جس وقت تو قرآن پڑھتا ہے تو ہم تیرے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہیں چھپا ہوا پردہ کر دیتے ہیں اور ان کے دلوں پر پردے ڈال دیتے ہیں اور ایسا نہ ہو کہ اسے سمجھیں اور رکھتے ہیں ہم ان کے کانوں میں بوجھ کو (سورہ بنی اسرائیل پارہ ۱۵) دلوں پر پردے پڑ جانے سے مراد وہی باطل کی محبت ہے جس کے اثر کو ولیت کے دل میں حضرت میراں علیہ السلام کی نگاہ حقیقت شناس نے معائنہ فرمایا تھا اور یہ وہی باطل کی محبت میں محویت ہے جو ولیت کے دل کو اپنے معشوق باطل کی صورت میں محو ہو جانے کا معاملہ حضرت

میراں علیہ السلام کی قلب حقیقت آگاہ نے دیکھا تھا۔ کافروں کے دلوں پر پردے ہونا نص قرآنی سے ثابت ہے لیکن ان پردوں کو صرف حقیقت آشنا نظر دیکھ سکتی ہے چونکہ یہاں دل کا ذکر آگیا ہے اس لئے دل پر ایک مختصر تبصرہ اس مضمون کے قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب احیاء العلوم سے پیش کیا جاتا ہے تاکہ دل کے معانی معلوم ہونے کے بعد بیان متذکرہ صدر کا ادراک اچھی طرح ہو سکے۔

دل دو معنوں میں بولا جاتا ہے دل کا ایک معنی یہ ہے کہ وہ گوشت کا ٹکڑا ہے جس کی شکل صنوبری ہے اور سینہ کے بائیں جانب رکھا گیا ہے یہ ایک خاص گوشت ہے اس کے باطن میں تجویف (خلا) ہوتی ہے اور اس تجویف میں کالا خون ہوتا ہے وہی روح کا معدن و منبع ہوتا ہے اس دل سے دین کے اغراض متعلق نہیں ہوتے یہ دل بہائم میں بھی موجود ہوتا ہے بلکہ یہ دل مردوں میں بھی پایا جاتا ہے اس گوشت کے ٹکڑے کی کوئی وقعت نہیں اس کا ادراک اپنے حاسہ بصر (آنکھ) سے بہائم بھی کرتے ہیں چہ جائیکہ آدمی کریں۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ ایک روحانی ربانی لطیفہ ہے جس کو جسمانی دل سے تعلق ہے وہی لطیفہ انسان کی حقیقت ہے وہی لطیفہ مدرک اور عالم ہوتا ہے اسی سے خطاب کیا جاتا ہے اسی کو عذاب دیا جاتا ہے اسی پر عتاب ہوتا ہے اسی سے مطالبہ کیا جاتا ہے اور اسی لطیفہ کو جسمانی دل سے علاقہ ہے اس علاقہ کی وجہ دریافت کرنے میں اکثر عقول حیران ہیں کیونکہ اس کا تعلق جسمانی دل سے ایسا ہے جیسا کہ اعراض کا تعلق اجسام سے ہوتا ہے اور اوصاف کا تعلق موصوفات سے ہوتا ہے یا آلہ استعمال کرنے والے کا تعلق آلہ سے یا متمکن کا تعلق مکان سے ہوتا ہے (یہ آخری دو مثالیں بہت اچھی ہیں) اس کی شرح دو معنوں سے متعلق ہے ایک معنی علوم مکاشفہ سے تعلق رکھتا ہے۔ ہماری غرض اس کتاب سے صرف علوم معاملہ ہے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ اس کی تحقیق بہر روح کے افشاء کو

جانتا ہے۔ اور اس خصوص میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام نہیں فرمایا تو دوسروں کو کلام کرنے کی گنجائش نہیں ہے حاصل یہ کہ جب ہم اس کتاب میں دل کا ذکر کریں گے تو اس سے مراد وہی لطیفہ ربانی ہوگا دل کی مثال ایک نصب کردہ قبہ کی ہے جس کے کئی ایک دروازے ہوں جن سے احوال اس کی طرف پہنچتے ہیں یا اس کی مثال ایک آئینہ کی ہے جس پر سے مختلف صورتیں گزرتی ہیں اور اس میں ایک صورت دوسری صورت کے بعد نظر آتی ہے یا اس کی مثال ایک حوض کی ہے جس میں مختلف نہروں سے مختلف قسم کے پانی آتے ہیں ہر حال میں ان آثار متجددہ کے داخل دل میں یا حواس ظاہری کی طرف سے ہوتے ہیں یا حواس باطنی کی طرف سے جب حواس کے ذریعہ کسی چیز کا ادراک کرتا ہے تو اس کا اثر دل میں حاصل ہوتا ہے اور اسی طرح جب کثرت اکل یا قوۃ مزاج کے سبب سے شہوت برانگیختہ ہوتی ہے تو اس کا بھی اثر دل میں ہوتا ہے اور اگر حواس عدرک جائے تو نفس میں جو خیالات حاصل ہوتے ہیں باقی رہتے ہیں اور خیال ایک شئ سے دوسری شئ کی طرف منتقل ہوتا ہے اور خیال کے انتقال کے موافق دل ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتا ہے انتھی کلامہ ملخصاً

اس سے ظاہر ہے کہ وہ دل جس میں تاثرات داخل ہوتے ہیں اور وہ دل جو خیال کے انتقال کے ساتھ ساتھ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتا جاتا ہے وہ صنوبری شکل کا گوشت نہیں ہے پس دلیپت کے جس دل پر میراں علیہ السلام کی نظر حقایق اثر پڑی تھی وہ گوشت کا ٹکڑا نہ تھا بلکہ وہ وہ دل تھا جس کو لطیفہ ربانی و روحانی کہتے ہیں جس میں اثرات سے متاثر ہونے کی قابلیت تھی وہ وہی دل تھا جس میں ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہونے کی قابلیت تھی۔ اسی کا ذکر اپنی کتاب جنت الولایۃ میں مولانا منصور خاں رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "وہ دل او بصورت معشوق خود شدہ بود" اسی دل کے متعلق بندگی شاہ عبدالرحمن رح

نے تحریر فرمایا کہ "چونکہ نقش بت کہ او پرستش کردہ بود انتقال پیدا شدہ بود" وہی لطیفہ ربانی و روحانی تھا جو اپنے مکان جسمانی کو چھوڑتے ہوئے اپنی متمثلانہ ہیئت کے ساتھ میراں علیہ السلام کی نگاہ حقیقت آگاہ کے سامنے آیا جس کے معائنے کے بعد آپ بارہ سال جذبات حقانی میں مستغرق رہے۔

میراں علیہ السلام نے جس وقت دلیپت راؤ کو قتل کیا ہے اس وقت آپ کا سن (۲۸) سال کا تھا اس کے بعد آپ کے بارہ سال جذبات حقانی میں گزرتے ہیں بعد اختتام جذبات جب آپ پورے چالیس سال کے ہوتے ہیں تو خدا کے حکم سے کعبۃ اللہ جاتے ہیں اور وہاں دعوی مہدیت فرماتے ہیں۔

تاریخی واقعات سے ظاہر ہے کہ یہ فتح صرف حضرت میراں علیہ السلام کے قدم مبارک کی وجہ سے تھی کیونکہ شاہی فوج کو ہزیمت ہوگئی تھی حضرت بہ نفس نفیس تین سو تیرہ نفوس بروایت دیگر سیزدہ نفوس کے ساتھ برابر مقابلہ کرتے رہے بالآخر حملہ کنعان ہاتھی کو اپنے دست مبارک سے تیر اور نیزے سے مارا اور اپنے ہی دست و بازو کی قوۃ سے جن میں ید اللہی طاقت اور زور ولایت تھا دلیپت پر شمشیر چلائی اور اس کا کام تمام کیا یہ محض آپ کے اس ملکہ توکل کا اثر تھا جو ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ پر اعتقاد جازم اور یقین کامل رکھنے سے پیدا ہوا تھا اور یہ فتح اس خالق لم یزل ولا یزال کی قدرت پر اعتماد رکھنے کا نتیجہ تھی جس نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین وان یکن منکم مائۃ یغلبوا الفا من الذین کفروا بانھم قوم لا یفقھون آپ نے اس عمل سے دنیا کو بتا دیا کہ ان یکن منکم عشرون صابرون الخ کی آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ بموجب کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ متوکل علی اللہ کی مدد سے آج بھی تھوڑی جماعت بڑے بڑے کام کر سکتی ہے

اس واقعہ جنگ سے اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ وہ برگزیدہ ہستی جس کو منصب جلیلہ نبوت پر ہم مبعوث کرنے والے ہیں وہ میدانِ توکل میں بموجب حدیث یقفوا اثری ولا یخطی اپنے متبوع کے نقشِ قدم پر گامزن ہے۔

فتح و نصرت اور توکل علی اللہ میں کیا تعلق ہے اس آیۃ شریفہ سے واضح ہے۔

اذ یقول المنافقون والذین فی قلوبھم مرض غرّ ھؤلاء دینھم ومن یتوکل علی اللہ فان اللہ عزیزٌ حکیم۔

(ترجمہ) یاد کرو اس وقت کو جس وقت کہ کہتے تھے منافق اور وہ جن کے دلوں میں شک اور نفاق ہے۔ دھوکا دیا ہے ان کو (مسلمانوں کو) ان کے دین نے اور جو توکل کرے اللہ تعالیٰ پر پس تحقیق خدائے تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

اس آیت کا شانِ نزول بروایت اصح یہ ہے قریش کی ایک جماعت مسلمان ہونے کے بعد قدرۃ رکھنے کے باوجود ہجرت کی دولت سے سرفراز نہ ہوئی جب قریشیوں نے مسلمانوں پر حملہ کیا تو یہ لوگ بھی مقام بدر میں آ گئے اور ان کی نیت یہ تھی کہ جس لشکر کو غلبہ ہو اس کے ساتھ ہو جائیں گے چونکہ ترک ہجرت کر کے نافرمانی کی تھی بدر کے دن ان کو اپنی نافرمانی کی شامت اٹھانی پڑی، مومنوں کی قلت مشاہدہ کر کے کہا کہ انہوں نے یعنی مسلمانوں کو ان کے دین نے فریفتہ کیا ہے کہ باوجود قلت عدد اور عدم ساز و سامان جنگ کے ایسے بڑے لشکر کے مقابلہ میں آ الاستہ ہوئے ہیں ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیۃ نازل کی ومن یتوکل علی اللہ فان اللہ عزیز حکیم یعنی جو شخص اللہ پر توکل کرے اور اپنا کام اس پر چھوڑ دے تو تحقیق خدا غالب ہے متوکل کو چھوڑتا نہیں ہے اور حکیم ہے یعنی حکم کرنے والا ہے کہ اہل توکل کی مدد کرتا ہے۔

جنگ بدر ہجرۃ نبوی م کے دوسرے سال واقع ہوئی تھی بدر ایک کنوئیں کا

نام ہے جس کو بدر نامی ایک شخص نے کھدایا تھا اس غزوہ کی کیفیت یہ ہے کہ مکہ کے مشرکوں کی ایک جماعت نے بہت سا مال اپنے ساتھ لے کر ملک شام کا رخ کیا اس جماعت کی قافلہ سالاری ابو سفیان بن حرب کے تفویض تھی اور عمرو بن عاص نے مرافقت کی یہ خبر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو قافلہ کے ارادہ سے مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ کے باہر آ کے قطع مسافت کے بعد قافلہ تک نہ پہنچے اس لئے مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے اس اثناء میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاطر اقدس میں یہ بات آئی کہ کفار کی شر انگیزی کی مدافعت بغیر تلوار کے نہ ہو سکے گی اور اس کا مطلب حصول عالم اسباب میں اہل عدوان کے اموال کے بغیر جس پر غازیوں کا تصرف جائز ہے آسانی سے رونما ہوگا ناگزیر آپ نے طلحہ بن عبد اللہ اور سعد بن زید نفیل کا اس قافلہ کی مراجعت کی تحقیق کے لئے حدود شام میں متعین فرمایا یہ لوگ اس طرف چل نکلے اور طے منازل کے بعد نکار پہونچے اور کشط جہنی کے گھر میں اترے کشط نے مہمانی کے مراسم بجا لائے تھوڑی مدت کے بعد ابو سفیان اور عمرو بن عاص مخالفوں کے ساتھ شام سے مراجعت کر کے نجار پہونچے اور پوچھنے لگے کہ کیا تو نے اس عرصہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جاسوسوں میں سے کسی شخص کو دیکھا ہے کشط نے وہاں کے حالات اغیار سے چھپا کر اپنی لاعلمی کا اظہار کیا چونکہ قافلہ اہل اسلام کی طرف سے خوف رکھتا تھا جہاں تک جلد ہو سکا وہاں سے کوچ کیا۔ اور رات دن راستہ طے کرنے لگا جس روز یہ قافلہ وہاں سے نکل رہا تھا سعید اور طلحہ رض نے ایک ٹیلہ پر چڑھ کر قافلہ کے سامان اور احمال و اثقال کو دیکھ لیا تھا۔ دوسرے روز انہوں نے مدینہ کا رخ کیا اور طلحہ و سعد رضی اللہ عنہ کی مراجعت کے بعد فرصت کا خیال ضمیر منیر سرور کائنات علیہ التحیہ والصلوات میں پیدا ہوا اشرف مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کے ساتھ رمضان کی بارھویں تاریخ بروایتے آٹھویں تاریخ اور بروایتے تیسری تاریخ کو مدینہ سے نکلے اور منزل بقیع میں جو بیوت السقیا کے نام سے مشہور ہے۔ خیام ظفر انجام

نصب کئے گئے یہاں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کو پیش کرنے کا حکم فرمایا اس سے غرض یہ تھی کہ جو لوگ قتال کے قابل نہ ہوں ان کو واپسی کی اجازت دی جائے۔ جب لشکر ظفر پیکر نظر انور سے گزرا تو جو لوگ نشوونما پا رہے تھے ان کو صغر سنی کے سبب سے واپس فرما دیا جب لشکر بیوت السقیا سے حرکت میں آیا حضرت مقدس نبوی صلعم نے قیس بن ابی صعصعہ سے فرمایا کہ چاہ ابی عتبہ پر پہونچ کر سپاہ ظفر پناہ کی گنتی کر لو۔ جمہور کا قول یہ ہے کہ تمام اصحاب مع آں آٹھ اصحاب کے جو بہر انجام مہم کے لئے پیچھے تھے تین سو تیرہ نفوس گنتی میں آئے موافق لشکر طالوت ع کے جو جالوت کی جنگ کے لئے گئے تھے ابو حنیفہ دینوری نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ مجموعہ سپاہ کا تین سو سترہ تن تھے اور ایک قول ہے تین سو پندرہ تھے (از روضۃ الصفا) حضرت براء رحمۃ اللہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن میں عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما چھوٹے سمجھے گئے تھے۔ بدر کے دن مہاجرین ساٹھ سے کچھ زیادہ تھے اور انصار دو سو چالیس سے کچھ زیادہ تھے نیز براء رحمۃ اللہ فرماتے ہیں مجھ سے اصحاب محمد ؐ نے بیان کیا کہ جنگ بدر میں جو لوگ حاضر ہوئے تھے گنتی میں اصحاب طالوت علیہ السلام کے برابر تھے جنھوں نے طالوت علیہ السلام کے ساتھ دریا عبور کیا تھا۔ تین سو دس (۳۱۰) سے کچھ زیادہ تھے۔ (از بخاری شریف) ترمذی شریف میں اصحاب بدر کی گنتی میں جو حدیث وارد ہے اس میں ان کی تعداد تین سو تیرہ بتائی گئی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف یہ ہے۔

حدثنا واصل ابن عبد الاعلیٰ الکوفی
حدثنا ابو بکر ابن عیاش عن ابی اسحٰق
عن البراء قال کنا نتحدث ان اصحاب
بدر یوم بدر کعدۃ اصحاب طالوت
ثلثمائۃ وثلثۃ عشر۔

(ترجمہ) حدیث بیان کی ہم سے واصل بن عبد الاعلیٰ کوفی نے انہوں نے کہا حدیث بیان کی ہم سے ابوبکر بن عیاش نے روایت سے ابو اسحٰق کی اور وہ روایت سے براء کی کہا براء نے کہ ہم کہا کرتے تھے کہ اصحاب بدر بدر کے دن اصحاب طالوت کی گنتی کے مانند تین سو تیرہ تھے۔ (صفحہ ۲۰۲ جلد اول) اللہ تعالیٰ نے آپ کی توکل کی بدولت جو "من یتوکل علی اللہ فان اللہ عزیز حکیم" کے شان نزول سے معلوم ہوا مسلمانوں کو نصرت عطا فرمائی حالانکہ مسلمانوں کے پاس نہ کافی ثروت تھی نہ سواریاں تھیں مسلمانوں کی نصرت کی خبر باوجود ان کے پاس کافی سامان نہ ہونے کے اللہ جل شانہ دیتا ہے۔ ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ فاتقوا اللہ لعلکم تشکرون۔

(ترجمہ) اور البتہ تحقیق اللہ نے تمہاری مدد کی بدر میں درحالیکہ تم کمزور تھے پس تم اللہ سے ڈرو شاید تم شکر ادا کرو۔ غزوہ حنین کے واقعات سے بھی ظاہر ہے کہ جب مسلمان اپنی کثرت پر ناز کرنے لگے تو کثرت نے کوئی فائدہ نہ پہونچایا بلکہ جب توکل علی اللہ کر کے تھوڑی سی تعداد نے حملہ کیا تو فتح و نصرت نصیب ہوئی اللہ جل شانہ اس واقعہ کو خبر دیتا ہے۔ لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المومنین وانزل جنوداً لم تروھا وعذب الذین کفروا وذلک جزاء الکافرین ثم یتوب اللہ من بعد ذلک علی من یشاء واللہ غفور رحیم ۵

(ترجمہ) البتہ تحقیق مدد کی تمہارے اللہ نے بہت سے مقامات میں اور دن میں حنین کے جیسا کہ اترانے لگا یا تم کو تمہاری کثرت نے پس فائدہ نہ پہونچایا تم

کو کچھ بھی اور تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود اپنی کشادگی کے پھر تم نے پیٹھ پھیر لی ہزیمت خوردہ ہو کر پھر اتاری اللہ نے اپنی رحمت اپنے رسول اور مومنین پر اور اتارے لشکر جن کو تم نے نہیں دیکھا اور عذاب دیا ان کو جو کافر ہوئے اور وہ جزا ہو کافروں کی ہے پھر اس کے بعد اللہ جس کی چاہتا ہے توبہ قبول کر لیتا ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے (سورۂ توبہ) حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے فتح مکہ کے دو ہفتہ بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ ہوازن اور ثقیف کے دو قبیلے متفق ہو کر مسلمانوں سے جنگ کے لئے آمادہ ہوئے ہیں تو آپ بارہ ہزار اور بروایتے سولہ ہزار مہاجرین و انصار کے ساتھ روانہ ہوئے دس ہزار مسلمان مہاجرین و انصار اور دو ہزار مکہ کے نو مسلموں کے ساتھ ان پر چڑھائی کی کفار کی فوج چار ہزار تھی اصحاب میں سے ایک نے کہا کہ لن نغلب الیوم من قلۃ ہم آج تھوڑی سی تعداد کے مقابلہ میں ہرگز مغلوب نہ ہوں گے۔ انہوں نے اپنی فوج کی کثرت پر ناز کیا۔ یہ بات حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی آپ نے ناپسند فرمایا اس عجب کی وجہ سے پہلے شکست ہوئی وہ اس طرح کہ لشکر کو ایک پہاڑی گھاٹی سے گزرنا تھا۔ تنگی راہ کی وجہ سے تھوڑے تھوڑے گزرنے لگے۔ کفار مسلمانوں کی گھات میں چھپے ہوئے بیٹھے تھے موقع پاکر ان پر ٹوٹ پڑے سب کے سب صحابہ رضی اللہ عنہم تتر بتر ہو گئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چند صحابہ رضی اللہ عنہم میدان میں رہ گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ لگام اور ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ رکاب تھامے ہوئے تھے دوبارہ حملہ سو آدمیوں کے ساتھ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا منقول ہے کہ تمام لشکر منتشر ہوا اور حضرت رسالت پناہ ﷺ کے ساتھ صرف چار اصحاب رضی اللہ عنہم رہ گئے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود حضرت رسالت پناہ ﷺ اس روز نقرئی خچر پر سوار تھے جب اصحاب نے ہزیمت پائی تو دشمنوں نے آنحضور ﷺ کا رخ کیا آنحضور اپنے خچر کو ایڑ دیتے جاتے

تھے اور دشمنوں کا رخ کر کے حملہ کرتے جاتے تھے یہ ارشاد فرماتے تھے۔

انا النبی لا کذب

انا ابن عبد المطلب

عباس اور ابوسفیان رضی اللہ عنہما رکاب اور لگام خچر کی تھامے ہوئے تھے اور چھوڑتے نہ تھے کہ آنحضور ﷺ دشمنوں کے درمیان آ جائیں اس واقعے سے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال شجاعت پر استدلال کر سکتے ہیں کہ ایسے معرکہ کے دن خچر پر سوار ہو کر بغیر یار و مددگار جب کفار کے لئے آگے بڑھتے جاتے تھے۔ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت کو محاربہ کے لئے نہیں چھوڑا تو حضرت نے فرمایا کہ اصحاب کو آواز دو حضرت عباس بلند آواز تھے آپ نے ان الفاظ میں آواز دی یا عباد اللہ ھذا رسول اللہ یا اصحاب الشجرۃ و یا اصحاب سورۃ البقرۃ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز پر اصحاب واپس آئے اور تقریباً سو اصحاب شرف ملازمت حاصل کر کے حملہ آور ہوئے۔ آنحضور صلعم نے فرمایا۔ الآن حمی الوطیس یعنی اب تنور گرم ہو گیا آنحضرت صلعم پر اس وقت دعائے موسیٰ کا الہام ہوا جو دریا کو شگافتہ کرنے کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کی تھی۔ اللھم لک الحمد والیک المشتکی وانت المستعان یعنی اے اللہ تیرے ہی لئے حمد ہے اور تیرے پاس شکایت کی جگہ ہے اور تو ہی مدد چاہا ہوا ہے۔ اس دعا کا الہام ہوتے ہی آپ خچر سے نیچے اترے یا بروایت دیگر خچر پر بیٹھے ہوئے مٹھی بھر خاک اور سنگریزے زمین سے اٹھائے یا بروایت آخر اصحاب سے طلب فرمائے۔ اور یہ فرمایا شاھت الوجوہ (منہ کالے ہوئے) اور کفار کی طرف پھینکے اور فرمایا انھزموا ورب محمد بعض روایۃ ربانی دشمنوں میں سے کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ اس کا منہ اور آنکھیں خاک اور سنگریزوں سے پُر نہ ہوئے ہوں اس کے ساتھ ہی کفار کو شکست ہوئی

اور مومنوں کے دل مطمئن ہوئے اذ اعجبتکم کثرتکم فلم
تغن عنکم شیئا کی ہدایت سے واضح ہے کہ اسلام نے ہر کام اور
ہر معاملہ میں توکل علی اللہ کی تعلیم دی ہے۔ منافقین کی عادت تھی حضرت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی جنگ میں فتح وظفر نصیب ہوتی تو بہت رنجیدہ
ہوتے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی صدمہ ہوتا تو بہت خوش ہوتے اور کہتے کہ
ہم نے بڑی احتیاط سے کام لیا۔ جو ان لوگوں کے ساتھ شریک جنگ نہ ہوئے
انکی ان حرکات کی بناء پر یہ آیت نازل ہوئی ان تصبک حسنۃ
تسوھم وان تصبک مصیبۃ یقولوا قد اخذنا
امرنا من قبل ویتولوا وھم فرحون قل
لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا ھو مولانا
وعلی اللہ فلیتوکل المومنون۔ (ترجمہ) اگر پہنچے تجھے (اے
محمد صلعم) نیکی (فتح وظفر) تو ان کو رنج پہونچاتی ہے اور اگر پہونچے تجھے مصیبت
تو کہتے ہیں ہم نے اپنی دور اندیشی پہلے سے کرلی اور پلٹتے ہیں درحالیکہ خوش
ہیں کہدے (اے محمدؐ) ہرگز نہیں پہونچے گی ہم کو (کوئی مصیبت) مگر وہی جسے
اللہ نے ہمارے لئے لکھدیا وہ ہمارا کارساز ہے۔ اور اللہ ہی پر بس چاہیے
توکل کریں مومنین (سورۂ توبہ پارہ (۱۰)) صاحب تفسیر حسینی اس آیت کے تحت
لکھتے ہیں کہ خدا پر توکل کرنے کا نتیجہ حصول مرادات کفایت مہمات اور آفات سے
نجات ہے (سورۂ توبہ) صاحب تفسیر مدارک نے اس آیت کے تحت لکھا ہے۔
وحق المومنین ان لا یتوکلوا علی غیر اللہ۔ (ترجمہ)
اور حق مومنین کا یہ ہے کہ غیر اللہ پر توکل نہ کریں کذا فی البیضاوی اور صاحب
تفسیر خازن اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں یعنی فی جمیع امورھم
یعنی مومنوں کو چاہیے کہ اپنے تمام کاموں میں اللہ پر توکل کریں۔

ان واقعات کے ملاحظہ سے ظاہر ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم

کا جنگ بدر میں کفار کی بڑی تعداد کے مقابلہ میں تین سو تیرہ (۳۱۳) اور جنگ
حنین میں اپنے اصحاب کی شکست کے بعد صرف سو اصحاب کے ساتھ متوکلاً
علی اللہ حملہ کرنا اور جنگ حنین میں ایسے وقت میں جبکہ صرف چار اصحاب
آپ کے ساتھ تھے اپنے خچر کو دشمنوں کی طرف بڑھانا آپ کے توکل علی اللہ اور
شجاعت فطری کا بین ثبوت ہے اسی طرح امام الابرار سیدنا مہدی موعود علیہ
الصلوٰۃ والسلام کا دلپت کی تین لاکھ فوج کے مقابلہ میں سلطان حسین کی فوج
ہزیمت پانے کے بعد تین سو تیرہ نفوس کے ساتھ بہ نفس نفیس خود آگے بڑھنا
اور مست ہاتھی کو تیر اور نیزہ سے مار ڈالنا اور پھر راجہ کو تلوار سے دونیم کرنا آپ کی
توکل اور شجاعت کا ملکہ تھا جو بموجب لتوکلہ کتوکل النبی
اور بموجب یقفو اثری ولا یخطی دلفجوائی المهدی
من اھل بیتی آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میراث
میں ملا تھا۔

جب سیدنا مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فراہ پہونچے تو آپ کی دعوت
مہدیت کی شہرت ہوئی شہر مذکور کے قاضی نے کوتوال سے کہلایا کہ جماعت
کثیر اپنے ہمراہ لے کر جاؤ جو سید مہدیت کا دعویٰ کرتے ہیں ان کو مع ان کے
ہمراہیوں خرد و بزرگ کے گرفتار کرکے لاؤ اور اس کے پاس اپنے آدمی بھیجے
جب کوتوال کے پیادے آئے تو اس وقت حضرت مہدی علیہ السلام اپنے
اصحاب کے ساتھ حجروں کے باہر خدا کی یاد میں بیٹھے ہوئے تھے اصحاب
و مہاجرین نے میراں علیہ السلام سے جنگ (مدافعانہ مقاومت) کی اجازت
چاہی حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ بندہ حضرت رب العزۃ کے فرمان کا
تابع ہے اپنی فکر یا کسی کی مصلحت (مشورت) کا تابع نہیں ہے۔ صبر
سے کام لو اس کے بعد کوتوال کے لوگوں نے فقراء مرد وزن کا تمام سامان لے
لیا اس تاخت و تاراج کے بعد امام الابرار سیدنا مہدی موعود علیہ السلام کے

پاس آئے اور آپ سے شمشیریں طلب کیں حضرت علیہ السلام نے پہلے اپنی شمشیر اپنے
سے علیحدہ کر کے سامنے رکھدی آپ کے اصحاب نے بھی آپ کی متابعت بجالائی
اس وقت قلعہ کی حکومت و امارت سرور خاں سروانی کے تفویض تھی اور
شہر فرہ کی امارت میر ذوالنون کے تفویض تھی (سروال افغانیوں کے ایک
قبیلہ کا نام ہے اس وقت بھی مہدویہ میں اس قبیلہ کے لوگ موجود ہیں جو
خواجہ خیل سروانی سے مشہور ہیں) سرور خاں سروانی نے نصف شب میں خواب
میں دیکھا کہ حضرت رسالت پناہ ؐ نیزہ لئے ہوئے سرہانے کھڑے ہیں اور
فرماتے ہیں کہ تیری حکومت میں میرے فرزند پر جو صاحب ولایت ہے ایسا ظلم!
سرور خاں نے ہیبت اور خوف کے ساتھ جواب عرض کیا کہ مجھے اس کا علم نہیں
ہے۔ علی الصباح دریافت کروں گا۔ بیدار ہوا تو درد شکم میں مبتلا تھا کوتوال
کو بلایا اور کہا کہ تو نے کیا کام کیا میں نے ایسا خواب دیکھا ہے اور درد شکم
نے مجھے پریشان کر رکھا ہے کوتوال نے من و عن کیفیت بیان کی کوتوال
سے واقعات سن کر سرور خاں نے قاضی کو قید کرنے کا حکم دیا اور اسے قید
کر کے حضرت مہدی علیہ السلام سے عرض کروایا کہ حضرت قاضی کی نسبت جو سزا
تجویز فرمائیں دی جائے گی اور چند منصف علماء کو حضرت مہدی علیہ السلام کے پاس معافی چاہنے
اور دعوی کی تحقیق کے لئے بھجوایا اور کہلوایا کہ تلف شدہ سامان کی فہرست روانہ فرمائیں تاکہ
اس کا مضاعف سامان بھجوا دیا جائے۔ یہ لوگ حاضر خدمت ہو کر خواستگار معافی
ہوئے اور تلف شدہ سامان کی فہرست طلب کی حضرت علیہ السلام نے فرمایا ہماری
ملک سے کوئی سامان تلف نہیں ہوا۔ ہم اپنے پاس خدا کے سوائے کچھ بھی نہیں رکھتے
ہمارا خدا ہم سے تلف نہیں ہوا اس کے بعد انہوں نے چند علمی سوال کئے حضور نے ان کا
جواب ادا فرمایا۔ ان لوگوں سے واپس ہو کر جو کچھ مذاکرہ و مکالمہ ہوا تھا کہدیا انہیں
ایک زبردست عالم تھا۔ نواب سرور خاں سروانی سے کہا نواب صاحب! میرا علم
سید کے علم کے سامنے ایسا معلوم ہوا جیسا دریا کے سامنے قطرہ ہوتا ہے اس واقعہ کی اطلاع

نواب سرور خاں حاکم قلعہ فرہ نے میر ذوالنون کو کی۔ اس وقت میر ذوالنون حاکم فرہ
ریح میں تھے ریح فرہ سے تین چار کوس کے فاصلہ پر حضرت مہدی علیہ السلام کے روضہ
منورہ کے مغرب میں ہے اور روضے سے تقریباً میل یا ڈیڑھ میل ہے۔ ریح میں حضرت
ابو النصر فراہی رحمۃ اللہ کا مزار شریف ہے) اس کے بعد نواب سرور خاں اور میر ذوالنون
ملے اور سوچنے لگے کہ کیا کرنا چاہئے میر ذوالنون کی یہ رائے ہوئی کہ تلف شدہ سامان
پہلے بھجوا دینا چاہئے اس کے بعد میں نہایت شوکت اور دبدبہ اور آلات حرب کے
ساتھ ان کے پاس جاؤں گا۔ اگر ان میں (روحانی) طاقت نہیں ہے تو ہماری طرف
(مارے خوف اور ہیبت کے) متوجہ ہوں گے (اس وقت میں یہ سمجھوں گا) کاذب
ہیں اور اگر بے نیازی کریں اور ہم میں ان کی ہیبت وقار کا اثر پیدا ہو جائے تو میں پھر
ان کی طرف التفات کروں گا (اور سمجھونگا کہ) بے شک مہدی موعود ہیں۔ نواب
سرور خاں سروانی کو میر ذوالنون کی بات پسند آئی اور اس پر اپنی رضامندی کا اظہار
کیا میر ذوالنون نے جیسا کہا تھا ویسا ہی کیا جب لشکر کے ہمراہ میر (باجوں) کی آواز
فقراء اصحاب میراں علیہ السلام کے سمع ہمایوں میں پہنچی اور دیکھا کہ بڑے دبدبے سے
تعدی اور دست درازی کرتا ہوا آرہا ہے اس طرح کہ کسی کو چابک سے اور کسی کو اپنی کمان
سے ایذا پہونچا رہا ہے جوں ہی امام ہمام مہدی علیہ السلام کی نظر ہدایت اثر اس پر پڑی
گھوڑے سے اتر گیا کسی نے اس کی طرف توجہ نہ کی اس کی نیت یہ تھی کہ میراں علیہ السلام
کے نزدیک بیٹھوں جب میراں علیہ السلام کے سامنے آنا چاہا تو میراں علیہ السلام نے فرمایا
جہاں جگہ ملے بیٹھ جاؤ زبان مبارک سے یہ حکم سنتے ہی اس میں ایک قدم بڑھنے
کی جراءت نہ ہوئی اس وقت خاک پر بیٹھ گیا۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے دعوۃ مہدیت
شروع فرمادی۔ ادب سے دعوۃ سننے لگا اس کے بعد میراں علیہ السلام نے فرمایا نزدیک
بیا (نزدیک آ) تو نزدیک آیا پھر میراں علیہ السلام نے فرمایا نزدیک تر بیا تو اور
قریب آگیا اور کہا خوندکار (اہل خراساں خوندکار کا لفظ بمعنی آقا و صاحب استعمال کرتے
ہیں چنانچہ اب بھی وہاں یہ محاورہ باقی ہے) اگر مہدی لغوی ہیں تو معقول بات ہے

اور اگر مہدی اصطلاحی ہیں تو برہان اور دلیل بتانا چاہئے۔ حضرت مہدی علیہ السلام
نے فرمایا برہان دکھانا حق تعالیٰ کا کام ہے اور بندہ کے ذمہ تبلیغ ہے میر ذوالنون
نے کہا حدیث میں آیا ہے کہ مہدی پر شمشیر اثر نہ کرے گی آپ نے فرمایا کہ اس کا کام کاٹنا
اور پانی کا کام غرق کرنا اور آتش کا کام جلانا ہے۔ لیکن مہدی پر کوئی شخص قادر نہ
ہوگا۔ آزمالو آپ نے اپنی شمشیر اس کے سامنے رکھدی میر ذوالنون نے شمشیر اٹھاکر
چاہا کہ حضرت پر وار کرے ہاتھ اٹھانا تھا کہ اس کا ہاتھ وہاں سخ ہو گیا۔ اس ہاتھ
سے دوسرے ہاتھ میں شمشیر لی وہ بھی سخ ہو گیا اس کے چہرہ کا رنگ سبز ہو کر بے ہوش
ہو کر گر گیا حضرت مہدی علیہ السلام نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ہشیار کیا جب ہشیار ہوا تو پھر تین
مرتبہ ویسا ہی کیا۔ (لیکن ہر مرتبہ ہاتھ کی وہی حالت ہوتی گئی) اس کے بعد نہایت
تواضع اور ادب سے اس نے شمشیر مبارک آنحضرت کے سامنے رکھدی اس واقعہ
کے بعد ایک دانشمند و زیرک فاضل نے جن کا نام مولانا نور کوزگر تھا بآواز بلند
کہا اگر کوئی مہدی آنے والے ہیں تو یہی ذات مہدی موعود ہیں ورنہ کوئی مہدی آنے
والے نہیں ہیں میں نے تصدیق کی میر ذوالنون نے کہا میں نے بھی تصدیق کی یہ ذات
مہدی اور ہم نوکر مہدی اور غلام مہدی ہیں۔ جہاں (آپ کی معاونت میں) تیغ
چلانے کی ضرورت ہوگی میں تیغ چلاؤں گا اور مخالفان مہدی علیہ السلام کو قتل کروں گا حضرت
مہدی علیہ السلام نے فرمایا تیغ اپنے نفس پر چلاؤ کہ تم کو گمراہ نہ کرے مہدی اور مہدی کے
لوگوں کا نام فدا ہے فراہ میں بہت سے لوگ تارک دنیا اور طالب مولیٰ اور واصل مولیٰ ہوگئے
اور حضرت میراں علیہ السلام کی ایک ہی نگاہ جلالت پناہ میں حاکم فراہ میر ذوالنون کا گھوڑے
سے اتر پڑنا اور حاکمانہ جاہ تجمل اور فوج کی ہنگامہ آرائی کا آپ کے قلب مبارک پر
کچھ بھی اثر نہ ہونا امام علیہ السلام کے اس حکم پر کہ "جہاں جگہ لے بیٹھ جاؤ" حاکم وقت کا
خاک پر بیٹھ جانا نزدیک آنے کا حکم ملنے پر نزدیک آنا۔ اس ربانی طاقت کی شہادت
ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے خلفاء کو دنیا کی ہدایت کے لئے مبعوث کرتے وقت ان کے ساتھ
کر دیتا ہے اور پھر اپنی شمشیر میر ذوالنون کے حوالے کر کے آپ کا یہ ارشاد فرمانا کہ آزمالو اللہ اکبر

ایک ایسا بینہ اور ایک ایسی کھلی ہوئی شہادت ہے کہ اس سے نہ صرف آنحضرت کے ملکہ
توکل علی اللہ کے تیقن کا راستہ ملتا ہے بلکہ صداقت اور حقانیت کے ابلتے ہوئے چشمے
بھی اس راستہ میں نظر آتے ہیں حجت اور دلیل کے میدان میں فصاحت کا دریا بہا نا ممکن
ہے لیکن صداقت کی معیار پر کھرا اترنے کے لئے جب جان پر آبنے اس وقت بھی توکل علی اللہ
کے میدان میں قدم ثبات میں لغزش نہ آنے دینا صرف اسی قوت کا کام ہے جو خدا کی طرف سے
[illegible] پیام خدا کے بندوں تک پہنچانے کے لئے معرض وجود میں آتی ہے اور پھر میر
ذوالنون کے جوش عقیدت سے نکلے ہوئے کلمات پر کہ جہاں مدد کی ضرورت ہو میں
مہدی [illegible] آپ کا یہ ارشاد فرمانا کہ اپنے نفس پر تلوار چلاؤ کہ وہ
گمراہ نہ کرے۔ مہدی اور مہدی کے لوگوں کا نام فدا ہے ایک ایسی تعلیم ہے جس سے
نہ صرف تزکیۂ نفسانی کا بلکہ دنیا کو امن و اماں کی زندگی کا سبق دیا گیا ہے۔ نفس پرستی
کے حصول تمرد کو توڑنا وہ کامیابی ہے جو سنگ بستہ قلعوں کو فتح کرنے میں نصیب نہیں
ہوتی اللہ جل شانہٗ اس کامیابی کی خبر دیتا ہے۔ قد افلح من زکیھا
وقد خاب من دسیھا حضرت خاتم النبیینؐ پر بھی غورث نامی
نامی ایک شخص نے تلوار اٹھائی تھی اور تلوار چلاتے ہوئے پوچھا تھا کہ یا محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم)
اب تجھے مجھ سے کون بچائے گا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ بچائے گا۔ چنانچہ حدیث
ذیل سے اس واقعہ کی توضیح ہوتی ہے۔

عن جابر بن عبد اللہ قال غزونا مع رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم غزوۃً قبل نجد فادرکنا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی واد کثیر العضاۃ
فنزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحت شجرۃ
نعلق سیفہ بغصن من اغصانھا قال وتفرق
الناس فی الوادی یستظلون بالشجر قال فقال
رسول اللہؐ ان رجلاً اتانی وانا نائمٌ فاخذ

السیف فاستیقظت وهو قائم علی راسی فلم اشعر الا والسیف صلتا فی یده فقال لی من یمنعک منی قال قلت الله ثم قال فی الثانیة من یمنعک منی قال قلت الله قال فشام السیف فها هو ذا جالس ثم لم یعرض له رسول الله صلی الله علیه وسلم

(از۔ صحیح مسلم باب توکل رسول اللہ) ترجمہ:۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں نجد کی جانب جنگ کی ایک ایسی وادی میں جہاں خاردار درخت بکثرت تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس پہنچ گئے اور ایک درخت کے نیچے اتر گئے اور اپنی تلوار اس درخت کی ایک ڈالی سے لٹکا دی راوی کہتے ہیں کہ لوگ درختوں کے نیچے سایہ لینے لگے اِدھر اُدھر پھیل گئے۔

راوی کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی میرے پاس آیا اور میں سو رہا تھا اس نے تلوار لے لی اتنے میں میں بیدار ہوا اور وہ میرے سرہانے کھڑا ہوا تھا میں نے اس کے سوائے کچھ بھی محسوس نہ کیا کہ تلوار اس کے ہاتھ میں کھینچی ہوئی ہے اور اس نے مجھ سے کہا "مجھ سے تجھ کو کون بچائے گا" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نے کہا "اللہ" پھر دوبارہ کہا "مجھ سے تجھ کو کون بچائے گا" رسول اللہ فرماتے ہیں۔ میں نے کہا اللہ آپ فرماتے ہیں۔ پھر اس نے تلوار میان کر لی یہ لو یہ وہی ہے جو بیٹھا ہوا ہے پھر آنحضرت نے اس سے کوئی تعارض نہ فرمایا۔ حدیث شریف میں اس مرد کا نام مذکور نہیں ہے جس نے تلوار کھینچی تھی۔

امام نووی فرماتے ہیں علماء نے کہا ہے کہ اس کا نام غورث ہے (غین کے ضمہ سے یا فتحہ سے) اور قاضی نے اس میں دو وجہیں بیان کی ہیں اور کہا ہے کہ فتحہ سے پڑھنا اچھا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ بخاری کے بعض راویوں نے اس نام کو عین مہملہ سے غورث لکھا ہے لیکن غین سے غورث متواتر ہے اور خطابی کہتے ہیں

اس مرد کا نام غویرث ہے یا غورث اور یہی شخص غورث بن حارث ہے قاضی کہتے ہیں کہ اس حدیث کے مثل دوسری حدیث میں بھی یہ نام ہے اس میں اس مرد کا نام دعثور بتایا گیا ہے۔

جنت الولایت میں میر ذوالنون کے سوالات کچھ زیادہ مرقوم ہیں اور وہ یہ ہیں میر ذوالنون حاکم فراہ۔ اگر آپ مہدی لغوی ہیں تو معقول بات ہے اور اگر مہدی اصطلاحی ہیں تو حجت اور برہان دکھانا چاہیئے۔

حضرت مہدی علیہ السلام۔ حجت و برہان دکھانا خدا کا کام ہے اور ہمارا کام تبلیغ ہے۔

میر ذوالنون حاکم فراہ۔ آپ کس تفسیر پر سے قرآن کا بیان کرتے ہو۔

حضرت مہدی موعود علیہ السلام۔ ہم خدا کے حکم سے خدا کی مراد بیان کرتے ہیں۔ جو تفسیر اس بندے کے بیان کے موافق ہو وہ صحیح ہے ورنہ غلط ہے۔

میر ذوالنون حاکم فراہ۔ آپ کا مذہب کیا ہے۔ (سائل کا مطلب یہ تھا کہ آئمہ اربعہ میں سے آپ کس امام کے پیرو ہیں۔)

حضرت مہدی موعود علیہ السلام۔ ہم کسی مذہب کے مقید نہیں ہیں۔ ہم مصطفٰےؐ کا مذہب رکھتے ہیں۔

میر ذوالنون حاکم فراہ۔ کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں ہیں۔

حضرت مہدی موعود علیہ السلام۔ ہاں۔

میر ذوالنون حاکم فراہ۔ حدیث میں آیا ہے کہ اگر تمام اُمّت کے ایمان کو ترازو کے ایک پلہ میں رکھیں اور ایک پلہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان رکھا جائے تو ابوبکرؓ کے ایمان کا پلّہ زیادہ بھاری ہوگا۔ پس تمام اُمّت میں ابوبکر صدیقؓ افضل ہیں۔

حضرت مہدی علیہ السلام ۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کا پلہ بھاری ہے یا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان کا پلّہ

میرذوالنون حاکم فراہ ۔ محمد مصطفیٰ علیہ السلام کے ایمان کا پلّہ بھاری ہے۔

حضرت مہدی موعود علیہ السلام ۔ پس میرا ایمان محمد مصطفیٰ کا ایمان ہے۔

میرذوالنون حاکم فراہ ۔ اگر آپ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں ہیں تو پھر آپ کا ایمان محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کے برابر کس طرح ہوگا ۔؟

حضرت مہدی موعود علیہ السلام ۔ رسول علیہ السلام جس طرح اُمّت میں ہیں چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ۔

وما کان الله لیعذبهم وانت فیهم اسی طرح میں بھی اُمّت رسولؐ میں ہوں ۔

میرذوالنون حاکم فراہ ۔ آپ کی مہدیت کا گواہ کون ہے

حضرت مہدی موعود علیہ السلام ۔ اپنے دائیں جانب اشارہ کرکے اے لو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بائیں جانب اشارہ کرکے اے لو ابراہیم خلیل اللہ علیہ وسلم ۔

جنت الولایت میں یہ بھی مرقوم ہے کہ یہ چند سوال جو ذوالنون نے حضرت مہدی علیہ السلام کی ملازمت میں التماس کئے اپنی تدبیر اور فراست سے نہ کئے بلکہ ایک ولی کامل نے اپنی کتاب میں یہ سوالات اور جوابات لکھے تھے اور یہ بھی لکھا تھا کہ ان سوالات کے یہ جوابات جو دے گا وہی بے شک مہدی موعود ہے ۔

میرذوالنون کے محبت دل ان آگئے اور امام علیہ السلام کے اس کو خدا

کی طرف منسوب کرنے سے ظاہر ہے کہ میرذوالنون نے معجزہ مانگا تھا اور مہدی علیہ السلام نے معجزہ کے اظہار کو خدا کی طرف منسوب فرمایا۔ معجزہ کا دکھانا اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے ۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قوم کے ایمان پر بہت حرص رکھتے تھے اور چاہتے تھے کہ جو معجزہ قوم مانگے آپ سے ظاہر ہو جاوے تاکہ وہ اس کو دیکھ کر مومنوں کے دائرہ میں آجاویں اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔

وان کبر علیک اعراضهم فان استطعت ان تبتغی نفقا فی الارض او سلما فی السماء فتأتیهم بآیة ولو شاء الله لجمعهم علی الهدی فلا تکونن من الجاهلین انما یستجیب الذین یسمعون والموتی یبعثهم الله ثم الیه یرجعون

(ترجمہ) اور اگر ان کی روگردانی تجھ پر گراں گزری ہے ۔ پس اگر تو قادر ہے اس بات پر کہ زمین میں سوراخ ڈھونڈے یا آسمان میں سیڑھی پس ان کے پاس معجزہ لادے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں) اور اگر چاہتا اللہ تو البتہ جمع کر دیتا ان کو ہدایت پر پس اے محمدؐ تم زنہار جاہلوں میں سے نہ ہو جاؤ (خطاب معناً اُمّت کی طرف ہے) صرف وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو (گوشِ دل سے) سنتے ہیں اور مردے اٹھائے گا ان کو اللہ پھر اسی کی طرف وہ لوٹیں گے ۔ (سورہ انعام پارہ ۷)

سرداران قریش کہتے تھے محمد پر ان کا خدا کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کرتا تو اس پر سے یہ آیت نازل ہوئی ۔

وقالوا لولا نزل علیه آیة من ربه قل ان الله قادر علی ان ینزل آیة ولکن اکثرهم لا یعلمون ۔

(ترجمہ) اور انہوں نے کہا کیوں نہیں بھیجا جاتا ہے اوپر اس کے معجزہ اس کے رب کی طرف سے کہدے اے محمدؐ تحقیق اللہ قادر ہے۔ اس بات پر کہ اتارے معجزہ کو لیکن اکثر ان میں کے نہیں جانتے ہیں۔

کفار عرب تعصب اور عناد سے حضرت سید کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ و التسلیمات سے معجزے چاہتے تھے اور قرآن شریف کا استہزاء کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ اے محمدؐ جب خدا نے تم کو نبی بنایا ہے تو تم کو خزانے کیوں نہیں دیئے یا کسی فرشتے کو تمہاری تصدیق کے لئے کیوں نہیں بھیجا حضرت رسالت پناہؐ ان کے قبول نہ کرنے اور مسخری کرنے سے تنگدل ہوتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ فلعلک تارکٌ بعض ما یوحیٰ الیک وضائقٌ بہ صدرک ان یقولوا لولا انزل علیہ کنزٌ او جاء معہ ملکٌ انما انت نذیر واللہ علی کل شیئٍ وکیل۔ (سورۂ ہود پارہ ۱۲) (ترجمہ) پس شاید تو چھوڑنے والا ہے بعض اس چیز کو جو وحی کی جاتی ہے تیری طرف اور تنگ ہے اس کے اظہار سے تیرا سینہ اس خوف سے کہ وہ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں اتارا گیا اس پر خزانہ یا کیوں نہیں آیا اس کے ساتھ فرشتہ سوائے اس کے نہیں کہ تو ڈرانے والا ہے۔

ابوجہل عتبہ اور شیبہ نے قریش کی ایک گروہ کے ساتھ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہا اے محمدؐ تم جانتے ہو کہ ہمارے شہر سے زیادہ کسی اور شہر میں پانی کی قلت اور عیش کی تنگی نہیں ہے اس لئے تم اگر نبی ہو تو ان پہاڑوں کو ہمارے شہر کے اطراف سے نکال دو تاکہ زمین زراعت کے قابل ہو جائے اور ہمارے شہر میں شام اور عراق میں جیسی نہریں بہتی ہیں ویسی نہریں جاری کرا دو تاکہ ہم اس میں زراعت کر سکیں اور تم اپنے خدا سے بولو کہ فرشتوں کو اپنے دعوے کی تصدیق کے لئے ہمارے پاس بھیجے اور تمہارے خدا سے تم یہ بھی کہو کہ وہ تم کو چاندی اور سونے

کے پہاڑ عطا کرے تاکہ ہم اس کے عذاب سے آگاہ ہوں اور ایسی ہی باتیں انہوں نے ہٹ دھرمی سے کہیں اور ان کی یہ درخواست اس وقت ہوئی جبکہ اعجاز قرآن کی حجت سے ان کو ملزم بنا دیا گیا تھا اور پھر عبداللہ بن امیہ مخزومی آیا اور کہا کہ اے محمدؐ میں تم پر ایمان نہ لاؤں گا تا آنکہ تم زمین سے آسمان تک ایک سیڑھی لگاؤ اور سیڑھی سے چڑھ کر آسمان پر جاؤ اور میں تم کو دیکھتا رہوں گا اور تم میں سے ہر ایک کے نام پر ایک نسخہ لاؤ کہ ہم پڑھیں اور جانیں کہ تم پیغمبر ہو یہ تمام باتیں کرنے کے بعد بھی گمان کرتا ہوں کہ میں تمہاری تصدیق نہ کروں گا اس پر حق سبحانہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وقالوا لن نؤمن لک حتیٰ تفجر لنا من الارض ینبوعاً او تکون لک جنۃ من نخیل وعنب فتفجر الانہر خللہا تفجیرا او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفا او تاتی باللہ والملئکۃ قبیلاً او یکون لک بیت من زخرف او ترقیٰ فی السماء ولن نؤمن لرقیک حتیٰ تنزل علینا کتٰباً نقرؤہ قل سبحان ربی ھل کنت الا بشراً رسولاً۔

(ترجمہ) اور کہا انہوں نے ہرگز ایمان نہ لائیں گے ہم تجھ پر حتیٰ کہ بہائے تو ہمارے لئے زمین سے پر آب چشمہ کو یا ہو دے تیرے لئے باغ خرما اور انگور کا پس رواں کرے نہروں کو درمیان اس باغ کے رواں کرنا یا گرا دے تو اپنے زعم کے موافق ہم پر آسمان کو پارہ پارہ (کر کے) یا لا دے تو خدا اور فرشتوں مقابل میں یا ہوئے گھر تیرے لئے زر کا (جس میں تو بیٹھے) یا چڑھے تو آسمان پر اور ہرگز تصدیق نہیں کریں گے۔ تیرے چڑھنے کی حتیٰ کہ اتارے تو ہم پر کتاب کہ پڑھیں ہم اس کو کہدے (اے محمدؐ) پاک ہے پروردگار میرا نہیں ہوں میں مگر آدمی بھیجا ہوا

(سورہ بنی اسرائیل پارہ ۱۵) ان آیات شریفہ سے واضح ہے کہ معجزوں کا دکھانا خدا کا کام ہے اور پیغمبروں اور اللہ کے خلیفوں کا کام صرف تبلیغ ہے اسی واسطے حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے فرمایا ہمارا کام تبلیغ ہے۔ چنانچہ اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے۔

فان تولیتم فاعلموا انما علی رسولنا البلاغ المبین۔ (پارہ ۷) سورہ مائدہ) (ترجمہ) پس اگر تم روگردانی کرو تو پس جان لو یہ بات کہ نہیں ہے ہمارے رسول پر مگر تبلیغ روشن پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے خلفاء سے معجزوں کا اظہار مشیت ایزدی کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ معجزہ کی استدعا کرنے والوں کی استدعا کے ساتھ البتہ اس وقت جبکہ ان کی استدعا کے ساتھ مشیت ایزدی بھی جاری ہوئی ہو چنانچہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے بہت سے معجزے صادر ہوئے جو کتب سیر میں مرقوم ہیں اسی طرح امامنا مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی بہت سے معجزے صادر ہوئے ہیں جو کتب سیر میں مرقوم ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ میر ذوالنون نے حجت اور برہان دریافت کیا تھا لغت میں اس کا معنی بیان واضح کا ہے میر ذوالنون کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ علامات وغیرہ کی تطبیق اپنی ذات سے کرکے بتائیں برہان مانگنے کا مطلب یہ نہ تھا کہ معجزہ بتائیں اس لئے اس کے جواب میں ہمارا کام تبلیغ ہے کہدینا کافی نہ ہوگا۔ نیز برہان بمعنی معجزہ مستعمل نہیں ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ معجزہ کو برہان سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے پہلے دو معجزے عطا کئے تو ان کو برہان فرمایا آیت شریفہ یہ ہے۔ فلما اتیھا نودی من شاطئ الواد الایمن فی البقعۃ المبارکۃ من الشجرۃ ان یموسیٰ انی انا اللہ رب العالمین وان الق عصاک

فلما راٰھا تھتز کانھا جان ولی مدبرا ولم یعقب یاموسیٰ اقبل ولا تخف انک من الامنین اسلک یدک فی جیبک تخرج بیضاء من غیر سوء واضمم الیک جناحک من الرھب فذٰنک برھانان من ربک الی فرعون وملائہ انھم کانوا قوما فاسقین (ترجمہ) پس جب موسیٰ علیہ السلام آگ کے پاس آئے تو پکارے گئے وادی ایمن کے کنارے سے مقام مبارک میں درخت سے کہ اے موسیٰ تحقیق میں اللہ عالمین کا رب ہوں اور یہ کہ ڈال دے تو اپنے عصا کو پس جب دیکھا اس نے اس کو تیز سے حرکت کرتا ہے گویا کہ وہ جست کرنے والا سانپ ہے پلٹ گیا پیٹھ پھیر کر اور نہ پلٹا۔ اے موسیٰ علیہ السلام سامنے آ اور نہ ڈر تحقیق تو امن یافتہ لوگوں میں سے ہے لے جا اپنے ہاتھ کو اپنے جیب میں کہ نکلے سفید ہو کر نور بغیر عیب کے اور ملا اپنے سے اپنے بازو کو (یعنی اپنے ہاتھ اپنے سینہ پر رکھ) خوف کی وجہ سے (تاکہ تو تسکین پاوے) پس یہ دونوں چیزیں یعنی عصا اور ید بیضا دو برہان ہیں۔ تیرے رب کی طرف سے فرعون اور اس کی گروہ کے اور تحقیق وہ فاسق قوم ہیں۔ (پ ۲۰۔ س قصص) نیز حجت بھی خدا ہی عطا کرتا ہے۔ چنانچہ جب رات تاریک ہوئی تو ابراہیم علیہ السلام نے زہرہ کا تارا دیکھا تو بر سبیل استفہام کہا کہ "ھذا ربی" کیا میرا رب یہی ہے اور جب وہ تارا ڈوب گیا تو فرمایا "لا احب الافلین" میں ڈوبنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہوں اور جب آپ نے چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا۔ "ھذا ربی" آیا یہی ہے میرا رب اور جب وہ ڈوب گیا تو فرمایا لئن لم یھدنی ربی لاکونن من الضالین میرا رب میری رہنمائی نہ کرتا تو میں گمراہ قوم سے ہوتا اور جب آپ نے آفتاب کو چمکتا ہوا دیکھا تو

فرمایا ھذا ربی ھذا اکبر کیا یہی میرا رب ہے جسے آفتاب پرست اپنا رب سمجھتے ہیں اور جب وہ ڈوب گیا تو کہا یٰقوم انی بریٓء مما تشرکون ۔ اے میری قوم تحقیق میں بیزار ہوں اس چیز سے جسے تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوات والارض حنیفا وما انا من المشرکین ۔ تحقیق میں نے خالص کیا اپنے دین کو واسطے اس کے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں ۔ ابراہیمؑ سے آپ کی قوم نے حجت مانگی تو فرمایا اتحاجونی فی اللہ وقد ھدٰنی ولا اخاف ما تشرکون بہٖ الا ان یشاء ربی شیئا وسع ربی کل شیء علما ۔ کیا حجت مانگتے ہو تم مجھ سے اللہ کے بارے میں یہ حالت ہے کہ اس نے میری ہدایت کی ہے اور میں خوف نہیں کرتا ہوں اس چیز سے جسے تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو مگر یہ چاہے میرا رب کچھ (صدمہ پہنچانا) اس کے ذریعہ سے مجھ کو احاطہ کیا ہے میرے رب نے ہر چیز کا اپنے علم سے افلا تتذکرون آیا تم نصیحت قبول نہیں کروگے وکیف اخاف ما اشرکتم اور کس طرح ڈروں میں اس چیز سے جس کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو ولا تخافون انکم اشرکتم باللہ اور نہیں ڈرتے ہو تم اس بات سے کہ تم نے خدا کا شریک ٹھہرایا ما لم ینزل بہٖ علیکم سلطانا اس چیز کو کہ اللہ کے ساتھ شریک کرنے کے لئے تم پر کوئی حجت نہیں اتاری فای الفریقین احق بالامن پس مشرکوں اور موحدوں کے فریقوں میں سے کون فریق امن کا زیادہ مستحق ہے ان کنتم تعلمون اگر تم جانتے ہو الذین اٰمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولٰئک لھم الامن وھم مھتدون امن کے زیادہ سزاوار وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور نہ ملائے اپنے ایمان کو ظلم سے وہی

لوگ ہیں کہ ان کے لئے امن ہے اور وہی راہ یافتہ ہیں وتلک حجتنا اٰتینٰھا ابراھیم علٰی قومہٖ نرفع درجٰت من نشاء ان ربک حکیم علیم کو اکب سے لے کر یہاں تک جو ابراہیم کی حجت بیان ہوئی وہ ہماری حجت تھی جو ہم نے اسے ابراہیم کو دی تھی اس کی قوم پر بلند کرتے ہیں ہم درجوں میں جس کو چاہتے ہیں تحقیق تیرا رب حکمت والا جاننے والا ہے (سورہ انعام پارہ ۷) جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ چاہتا تو نہ ہم مشرک ہوتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم نے کسی چیز کو حرام ٹھہرایا وہ آیت یہ ہے سیقول الذین اشرکوا لو شاء اللہ ما اشرکنا ولا اٰباؤنا ولا حرمنا من شیء اس آیت کے نزول کے بعد مشرکین وہی کہنے لگے جس کی خبر پہلے سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تھی آنحضرتؐ پر تسلی کے طور پر یہ آیت نازل ہوئی کذٰلک کذب الذین من قبلھم حتٰی ذاقوا باسنا قل ھل عندکم من علم فتخرجوہ لنا ان تتبعون الا الظن وان انتم الا تخرصون قل فللہ الحجۃ البالغۃ فلو شاء لھدٰکم اجمعین ۔ (ترجمہ) مانند اس تکذیب کے جو تیری قوم کرتی ہے تکذیب کی ہے ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے حتیٰ کہ چکھا انہوں نے ہمارے عذاب کو کہدے اے محمد کیا تمہارے نزدیک کچھ علم ہے ظاہر کرو تم اس کو ہمارے لئے نہیں پیروی کرتے ہو تم مگر اپنے گمان کی اور نہیں ہو تم مگر دروغ کہتے ہو کہدے اے محمدؐ پس اللہ ہی کے لئے حجت بالغہ ہے پس اگر وہ چاہتا تو سب کو ہدایت کرتا قل فللہ الحجۃ البالغۃ کے تحت تفسیر خازن میں مرقوم ہے یعنی قل یا محمد لھٰؤلاء المشرکین حین عجزوا عن اظھار علم اللہ او حجۃ لھم فللہ الحجۃ البالغۃ

یعنی التامۃ علی خلقہ بانزال الکتاب وارسال الرسل (ترجمہ) یعنی کہو اے محمد ان مشرکین سے جبکہ وہ عاجز آچکے ہیں اللہ کے علم کے اظہار سے اور اپنے لئے حجت سے تو پس اللہ کے لئے حجت تامہ ہے اپنی مخلوق پر اتارنے سے کتاب کے اور بھیجنے سے رسولوں کے اس کے بعد ربیع بن انس کا قول نقل فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے۔ قال الربیع بن انس لا حجۃ لاحد عصی اللہ اواشرک علی اللہ ۔۔۔ وللہ الحجۃ البالغۃ یعنی ربیع بن انس نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ نہیں ہے حجت اللہ کے خلاف کسی ایسے شخص کے لئے جس نے نافرمانی کی اللہ کی یا شرک ٹھہرایا اللہ کا اور یہ اللہ ہی کے لئے حجت ہے۔

پس تفاسیر سے ثابت ہوا کہ کتاب کا اتارنا رسولوں کا بھیجنا بھی حجت ہے۔ اور رسولوں کے معجزے دیئے گئے وہ بھی حجت ٹھہرتے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی حجت کو اللہ سبحانہ نے اپنی طرف منسوب فرمایا اور کہا وتلک حجتنا اتینٰھا ابراھیم علیٰ قومہ یعنے ہم نے ابراہیم کو حجت دی۔ پس امام مہدی موعود علیہ السلام نے حجت اور برہان کو اگر خدا کی طرف منسوب فرمایا اور اپنا کام تبلیغ فرمایا تو موافق کلام ربانی کے ہوا۔ نیز حجت برہان میں عطف تفسیر ہے اس لئے لفظ حجت بھی بمعنی برہان ہوگا اور برہان کا استعمال معجزہ کے لئے ہوتا آیت قرآنی سے ظاہر ہو چکا پس میر ذوالنون کا سوال متعلق بمعجزہ ہوگا نہ متعلق بہ علامات جواب کے بعد سوال کا آغاز کرنا قرینہ ہے اس بات کا کہ سائل کو جواب سے تشفی ہوگئی اور سوال سے مقصود وہی امر تھا جو ہم نے بیان کیا۔

میر ذوالنون کے اس سوال پر کہ آپ کس تفسیر پر سے قرآن کا بیان کرتے ہیں حضرت امام علیہ السلام کا یہ جواب کہ ہم خدا کے حکم سے خدا کی مراد بیان کرتے

ہیں جو تفسیر اس بندہ کے بیان کے موافق ہو وہ صحیح ہے ورنہ غلط ہے اپنی زبان ادا سے کہہ رہا ہے کہ میں خلافت الٰہی کی زبان ہدایت ترجمان سے نکلا ہوا ہوں جو ذات خلیفۃ اللہ معصوم عن الخطا اور بلا واسطہ تعلیم ربانی سے فیض یاب ہو اس کو کلام الٰہی سمجھنے کے لئے کسی تفسیر کا محتاج سمجھنا ہدایت کا انکار کرنا ہے غیر معصوم کی تفسیر امام معصوم کی تفسیر کے مخالف ہو تو یقیناً غلط ہوگی قرآن شریف کی کسی نظم کی تفسیر میں ایک طرف حدیث نبوی علیہ السلام ہو اور دوسری طرف اس کے خلاف میں مجرد کسی عالم کا قول ہو تو اسی تفسیر کو ترجیح ہوگی جس کی تائید حدیث شریف کرتی ہو اس تفسیر کو ترجیح ہونے کی وجہ یہی ہے کہ اس کی نسبت ذات عصمت مآب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتی ہے۔

سائل کے اس سوال سے کہ آپ کس تفسیر پر سے قرآن کا بیان کرتے ہیں۔ سائل امام علیہ السلام کے بیان کو اس تفسیر کے مطابق ہونے پر صحیح باور کرنا چاہتا تھا جس تفسیر کا وہ نام لیتے نیز اس سوال سے یہ امر بھی مترشح ہے کہ سائل کے پیش نظر جو تفاسیر تھیں امام علیہ السلام کے بیان کو سائل اس کے مخالف پا رہا تھا۔ اس وجہ سے سائل کو اس سوال کی ضرورت محسوس ہوئی کہ آپ کس تفسیر پر قرآن کا بیان کرتے ہیں۔ کمال اس امر کا مقتضیٰ تھا کہ امام علیہ السلام اپنے جواب میں سائل کے ان مافی الضمیر شکوک کو بھی حل فرما دیتے جو سوال کے پردے میں سے اپنی جھلک دکھا رہے تھے اس جواب کا لطف وہ اصحاب اٹھا سکتے ہیں جو معانی و بیان سے واقف ہیں۔

یہ دعویٰ کہ تمام مفسرین نے ہر آیت کی تفسیر اسی طرح نقل فرمائی ہے جس طرح کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے قابل تسلیم نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہی ہوتا تو تمام تفسیریں متفق ہوتیں حالانکہ مفسرین کا اختلاف بیان کیا جاتا ہے۔ ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ کی تفسیر میں علماء کرام نے مختلف معانی بیان کئے ہیں

صاحب کشف لکھتے ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ حسنة فی الدنیا سے مراد زوجہ صالحہ اور حسنة فی الآخرة سے مراد حور ہے اور عذاب نار سے مراد بری عورت ہے۔

صاحب تفسیر مدارک نے لکھا ہے کہ حسنة فی الدنیا سے مراد نعمت و عافیت یا علم و عبادت یا مال یا تحسین خلق و اعمال یا اخلاص یا سنت یا قناعت یا زوجہ صالحہ یا عیش سعادت ہے اور حسنة فی الآخرة سے مراد جنت یا رضائے حق یا اماں یا اخلاص یا شفاعت یا حور عین یا قبر سے اٹھنا بشارت کے ساتھ ہے صاحب تفسیر مدارک کا حرف یا کے ساتھ تفسیر کرنا خود اس امر کا شاہد ہے کہ ان کو کسی ایک ہی معنی پر تیقن نہیں ہے۔

صاحب تفسیر خازن لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے حسنة فی الدنیا کا معنی صحت امن و کفایت توفیق خیر نصرت بر اعداء اولاد صالح زوجہ صالحہ بیان کیا ہے اور بعض علماء نے رزق حلال اور عمل صالح کہا ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اسلام قرآن اہل و مال کا ملنا دنیا و آخرة میں حسنة یعنی وہ دنیا و آخرة میں عافیت ہے۔

عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ دنیا متاع ہے اور اس کی سب سے اچھی متاع نیک عورت ہے تفسیر جلالین میں مرقوم ہے فی الدنیا حسنة سے مراد نعمت اور فی الآخرة حسنة سے مراد جنت ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ جب ہر جگہ بیان معانی میں تفاسیر متفق نہیں ہیں تو انہوں نے اپنی رائے سے تفسیر کی ہوگی اور تفسیر بالرائے کے متعلق عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کہا تو چاہئے کہ اپنی جگہ دوزخ میں ڈھونڈ لے پس ایسی صورت میں تمام مفسرین کرام پر الزام قائم ہوگا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث شریف میں من قال فی القرآن برایہ کے الفاظ ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص قواعد عربیہ قواعد شریعت اور اقوال ائمہ کا قوال کے متبع کے بغیر اپنی طرف سے قرآن شریف کے معانی یا اس کی قرأت میں کلام کرے اور ایسے مقامات جو نقل پر موقوف ہیں مثلاً اسباب نزول قصص و احکام میں عقل سے کام لے یا ایسے مقامات جو عقل پر موقوف ہیں ان میں صرف نقل سے کام لے جیسا کہ آیات متشابہات میں فرقہ مجسمہ نے ظاہر نقل سے کام لیا ہے یا کوئی شخص بعض علوم الہیہ کے مقتضا کے موافق معنی کرے اور باقی علوم الہیہ و شرعیہ سے ناواقف ہو جن کے جاننے کی ضرورت تھی تو ایسے شخص کو جہنم کی دھمکی دی گئی ہے لیکن مفسرین کرام نے جو بھی تفسیر فرمائی ہے بموجب قواعد مذکورہ کے ہے اس لئے تفسیر بالرائے کے الزام سے بری ہیں لیکن محض تفسیر بالرائے نہ ہونے سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہر مفسر نے اللہ کی مراد بیان فرمائی ہے اور ہر تفسیر حضرت رب العزة کی تفسیر ہے کیونکہ ہر تفسیر حضرت رب العزت کی تفسیر ہو تو ایک تفسیر دوسری تفسیر سے مختلف نہ ہونا چاہئے تھا آیۃ شریف فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث ورباع پر سے قاسم بن ابراہیم (نو) عورتوں سے نکاح کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں نخعی اور ابن ابی لیلیٰ سے بھی ایسا ہی مروی ہے کیونکہ ان کے پاس واو بمعنی جمع ہے ان کے پاس آیت کا یہ معنی ہے کہ تم کو جو عورتیں اچھی معلوم ہوں دو دو اور تین تین اور چار چار سے نکاح کرو، دو، تین اور چار کو جمع کرنے سے نو کا عدد حاصل ہوتا ہے۔ بعض خوارج اٹھارہ عورتوں سے نکاح کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ الفاظ مثنیٰ وثلاث ورباع میں سبب عدل پایا جانے کی وجہ سے تکرار کا فائدہ دے رہے ہیں تکرار میں کم سے کم دو عدد کا حاصل ہوتا ہے اس طرح دو، دو، تین، تین اور چار، چار کو ملانے سے اٹھارہ ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض کے پاس بغیر تعیین عدد کے نکاح جائز ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ صیغہ تکرار کا فائدہ دے رہا ہے اور اس میں کوئی حصر نہیں ہے۔ شیخ المفسرین قاضی بدر الدین ابو محمد محمود عینی لکھتے ہیں

یہ سب باتیں اجماع امت کے خلاف ہیں اس لئے ان کی دلیل قابل سماعت نہیں ہے اور آیۃ شریفہ میں واؤ بمعنی او ہے اس میں یہ معنی ہوگا کہ تم کو جو عورتیں اچھی معلوم ہوں دو دو یا تین تین یا چار چار سے نکاح کرو۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ جب چار تک عدد کی تنصیص ہوگئی ہے تو اس پر زیادتی ممنوع ہوگی۔ اسی آیت شریفہ کے تحت امام شافعی رح اور احناف کا بھی اختلاف ہے امام شافعی رح کہتے ہیں کہ حر صرف ایک ہی باندی سے نکاح کرے کیونکہ باندی سے نکاح کرنا ایک امر ضروری ہے احناف اسی آیت کی بناء پر امام شافعی رح سے اختلاف کرتے ہیں کہ آیت میں من النساء واقع ہے اور لفظ نساء باندی اور حرہ دونوں کو شامل ہے اس لئے حر چار باندیوں سے بھی بوقت واحد نکاح کر سکتا ہے۔

آیت شریفہ والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلثة قروء کے تحت قروء کا معنی بیان کرنے میں بھی اختلاف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابن مسعود رض حضرت عبد اللہ ابن عباس رض حضرت ابو موسیٰ رض حضرت عبادہ رض بن صامت حضرت ابو الدرداء رض عکرمہ ضحاک سدی اوزاعی سفیان ثوری حضرت امام ابو حنیفہ رض اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کا قول یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں قروء بمعنی حیض ہے۔

اور حضرت زید بن ثابت رض حضرت ابن عمر رض اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا زہری ابان بن عثمان مالک اور شافعی رحمہم اللہ کا قول یہ ہے کہ آیۃ مذکورہ میں قروء بمعنی طہر ہے قروء کا لفظ از قبیل اضداد ہے حیض اور طہر دونوں معنی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہر دو جماعتوں کا بیان کیا ہوا معنی مراد اللہ ہے البتہ کوئی ایک معنی مراد اللہ اور کوئی ایک تفسیر حضرت رب العزۃ کی تفسیر ہو سکتی ہے۔

واضح ہو کہ متکلم اپنے کلام کا مقصود بہتر جانتا ہے کسی متکلم کے کلام کی مراد بیان کرنے والے تین طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جو خود متکلم سے ہی اس کے کلام کی مراد سنا ہو دوسرا وہ جو کسی سے سن لیا ہو کہ متکلم نے اپنے کلام کی مراد فلاں بیان کیا ہے۔ تیسرا وہ

جو اپنے قیاس سے مراد بیان کرتا ہو ظاہر ہے کہ قسم دوم قسم سوم قسم اول کی موجودگی میں نا قابل التفات ہوں گے۔ مبین قسم دوم و سوم کا بیان مبین قسم اول کے خلاف ہو تو مبین قسم اول ہی کہے گا جو امامنا مہدی موعود علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جو تفسیر بندہ کے بیان کے موافق ہو وہ صحیح ہے ورنہ غلط ہے مہدی کی شان میں یہ حدیث وارد ہے عن علی رض قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المهدی منا اهل البیت یصلحه اللہ فی لیلة (ترجمہ) حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہدی ہم سے ہے اہل بیت اللہ اس کی اصلاح ایک رات میں کرے گا۔ (از سنن ابن ماجہ باب المہدی) بعض علماء نے اس حدیث کا معنی یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ مہدی کو یکایک خلافت کے قابل بنا دے گا۔ اس حدیث شریف سے مہدی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیضان بلا واسطہ ملنے کا ثبوت ملتا ہے اس لحاظ سے مہدی مبین قسم اول ہے اسی واسطے امامنا علیہ السلام کا یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے کہ بندہ خدا کے حکم سے خدا کی مراد بیان کرتا ہے اور یہ دعویٰ ایک سوال کا جواب ہے جو بالکل مقتضائے حال کے موافق کیا گیا ہے سائل نے اس مقام پر دعوی کی دلیل نہیں مانگی تھی اور نہ یہاں دلیل کا سوال پیدا ہو سکتا ہے اس لئے جواب کو محض دعوی قرار دینے سے مہدویہ کے خلاف کوئی حجت قائم نہیں ہو سکتی۔

میر ذوالنون کے اس سوال سے کہ آپ کا مذہب کیا ہے اور امام علیہ السلام کے اس جواب سے کہ ہم کسی مذہب کے مقید نہیں ہیں مصطفےٰ کا مذہب رکھتے ہیں ظاہر ہے کہ میر نے یہ پوچھا تھا کہ آپ حنفی ہیں یا شافعی یا مالکی ہیں یا حنبلی اور پھر امام علیہ السلام کے جواب پر اس کا ساکت ہو کر دوسرے قول کا آغاز کرنا اس امر کی تائید کرتا ہے کہ میر کے سوال کا منشاء وہی تھا جس کے موافق امام علیہ السلام نے جواب دیا۔

میر ذوالنون نے سوال کیا کہ آپ کی مہدیت کا گواہ کون ہے تو امام علیہ السلام

نے دائیں جانب اشارہ کرکے فرمایا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گواہ ہیں اور بائیں جانب اشارہ کرکے فرمایا کہ ابراہیم خلیل اللہ گواہ ہیں۔

امامنا علیہ السلام کے اس جواب میں تین باتیں ہیں اول آپ کا دائیں اور بائیں جانب اشارہ کرنا دوم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گواہی پیش کرنا سوم تمام انبیاء علیہم السلام میں سے صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو گواہی کے لئے مخصوص کرنا۔

اس روایت میں اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ سیدنا امام علیہ السلام نے اشارہ انگشت مبارک سے کیا یا فرق مبارک سے اور اس امر کی بھی تصریح نہیں ہے کہ ہاتھ یا انگشت مبارک سے اشارہ کرکے متعین فرما دیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے دائیں جانب کھڑے ہیں اور ابراہیم خلیل اللہ ع میرے بائیں جانب کھڑے ہیں ان حضرات سے پوچھ لو وہ گواہی دیں گے روایت میں صرف اتنا ہے کہ دائیں جانب اشارہ کرکے فرمایا محمد رسول اللہ ص گواہ ہیں اور بائیں جانب اشارہ کرکے فرمایا ابراہیم خلیل اللہ گواہ ہیں اور یہ جواب سوال کے مطابق تھا کہ آپ کی مہدیت کے گواہ کون ہیں تو آپ نے گواہی میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابراہیم خلیل اللہ ع کو پیش کیا اب رہا دائیں بائیں جانب اشارہ کرنا وہ لہجۂ تکلم کی خصوصیت ہے کیونکہ متکلم اپنے دوران تکلم میں دو چیزوں کو تفصیل سے سامعین کے سامنے بیان کرنا چاہتا ہے تو سر یا ہاتھ کی حرکت سے ہر چیز کی طرف علیحدہ اشارہ کرتا ہے اس طرح کہ گویا وہ چیزیں اس کے سامنے موجود ہیں خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ ایک جماعت اسے گھیری ہوئی ہو تو وہ جماعت کے ہر حصہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے یہ امر ان حضرات سے پوشیدہ نہیں ہے جو مقررین و واعظین کی تقریروں اور وعظ میں شریک ہوکر لہجۂ تکلم پر نظر رکھتے ہیں یا وہ حضرات جو خود مقرر یا واعظ ہیں۔ میر ذوالنون حاکم تھا اور اس کے ساتھ ایک جماعت تھی جیسا کہ دوسری روایتوں سے ظاہر ہے کہ علماء کی جماعت تھی تو

امام علیہ السلام نے جماعت کے اس حصہ کی طرف متوجہ ہوکر جو سیدھے جانب تھی سر یا ہاتھ کی حرکت سے فرمایا ہوگا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گواہ ہیں اور جماعت کے اس حصہ کی طرف جو بائیں جانب تھی متوجہ ہوکر فرمایا ہوگا کہ ابراہیم خلیل اللہ گواہ ہیں۔

شہادت کے لئے یہ واجب نہیں ہے کہ شاہد بذات خود سامنے ہوکر شہادت دے بلکہ شاہد اپنے آثار سے بھی شہادت دیتا ہے چنانچہ اللہ جل شانہٗ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن شریف نازل فرماکر اپنے آپ کو آنحضور کا شاہد قرار دیتا ہے اور یہ بھی ارشاد فرماتا ہے کہ فرشتے بھی تیری نبوت کی شہادت دیتے ہیں آیۃ شریفہ یہ ہے۔

لٰکن اللہ یشہد بما انزل الیک انزلہ
بعلمہ والملائکۃ یشہدون وکفیٰ باللہ
شہیدا ۔ پارہ (۶) رکوع (۳) سورۂ نساء

(ترجمہ) لیکن اللہ گواہی دیتا ہے بہ سبب اس چیز کے جس کو تیری طرف نازل کیا اس کو اپنے علم سے اتارا اور فرشتے گواہی دیتے ہیں اور خدا کافی گواہ ہے۔

رؤساء کفار آنحضور سید مختار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اے محمد ہم نے احبار یہود سے آپ کے دین و آئین کے متعلق پوچھا اور آپ کی نبوت اور آپ کے متعلق استفسار کیا وہ کہتے ہیں ہم اس کو نہیں پہچانتے اس کا ذکر ہماری کتاب میں نہیں ہے۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ یہود کی ایک جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آئی سید عالم ص نے فرمایا خدا کی قسم تم جانتے ہو کہ پیغمبر خدا ہوں انہوں نے کہا ہم نہیں جانتے اور آپ کی کوئی گواہی نہیں رکھتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ لٰکن اللہ یشہد (از تفسیر حسینی)

صاحب کشاف اس آیت شریفہ کے تحت تحریر فرماتے ہیں و معنی شہادۃ اللہ بما انزل الیہ اثباتہ لصحتہ باظہار

المعجزات کما تثبت الدعاوی بالبینات وشہادۃ الملائکۃ شہادتہم بانہ حق وصدق (ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جس چیز کو اتارا اس کے سبب سے اللہ کی شہادت کا معنی اللہ کا اس کی صحت کو معجزوں کے اظہار سے ثابت کرنا ہے جیسا کہ دعوے دلیلوں سے ثابت ہوتے ہیں اور فرشتوں کی گواہی کا معنی یہ ہے کہ وہ اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ وہ حق اور سچ ہے جب خدا اور فرشتوں کی شہادت مسلم ہے اور گواہوں کو متمثل ومحسوس ہو کر شہادت دینے کی ضرورت نہیں ہے جس طریقہ سے کہ صاحب کشاف نے ذکر فرمایا ہے تو محمد رسول اللہ ؐ اور ابراہیم خلیل اللہ ؑ کی گواہی بھی امام مہدی علیہ السلام کی مہدیت کے لئے مسلم ہو سکتی ہے اور اس شہادت کے لئے حضور شاہدین یا ان کے استماع اصوات کی ضرورت پر بحث ناقابل التفات ہوگی اب رہی یہ بات کہ روایت میں لفظ اینک کا استعمال ہوا ہے چنانچہ روایت یہ ہے ۔

بعدہٗ سوال کردند کہ گواہ مہدیت شما کیست ؟ میراں بہ جانب
دست راست اشارت کردہ فرمودند کہ اینک محمد رسول اللہ
وبجانب دست چپ اشارہ کردہ فرمودند کہ اینک ابراہیم خلیل اللہ
(از جنت الولایۃ)

اینک فارسی زبان کا کلمہ ہے صاحب لغت کشوری نے اس کا معنی یہ کہ اور اب لکھا ہے صاحب غیاث اللغات نے اس کا معنی اینست واین قریب واکنوں لکھا ہے یعنی "یہ ہے" "یہ نزدیک" "اب" صاحب لغات کشوری نے یہ کہ کا جو معنی بتایا ہے صیغہ کے اعتبار سے قرین قیاس ہے کیونکہ اینک اینکہ کا مخفف ہو سکتا ہے صورۃً دونوں میں بہت مشابہت ہے اکنوں اور اینک میں صورۃً بعد ہے اسی طرح اینست اور اینک میں بھی صورۃً مشابہت تامہ غیر ظاہر ہے اینک کو اگر اینکہ کا مخفف مانا جائے تو یہ معنی تفسیر کے لئے ہوگا اس کو اشارہ سے کوئی تعلق نہ ہوگا اس وقت عبارۃ کا مطلب یہ ہوگا کہ شما گواہی مہدیت ما میخواہید گواہی مہدیت ما اینکہ محمد رسول اللہ

گواہ است واینکہ ابراہیم خلیل اللہ گواہ است۔ اینک اکنوں یعنی اب کے معنی میں لیا جائے تو یہ لفظ اسم ظرف زماں ہوگا اسم اشارہ نہ ہوگا اینک کا معنی این قریب لیا جائے تو مطلب ہوگا کہ یہ نزدیک محمد رسول اللہ اور ابراہیم خلیل اللہ گواہ ہیں قریب کا لفظ قرب زمانی وقرب مکانی دونوں کو شامل ہے قرب مکانی کا قرینہ بھی منفی نہیں ہے جس پر مطلع الولایۃ کی روایت کے تحت بحث کی جائے گی ۔ قرب زمانی کا معنی لیا جائے تو یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ زمانۂ قریب میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی شہادت تم کو مل جائے گی ۔

اینک اگر بمعنی اینست لیا جائے تو اصل عبارت یہ ہوگی اینست محمد ؐ رسول اللہ است حرف رابطہ ہے فارسی میں رابط کا مقام وقوع آخر جملہ میں ہوا کرتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے زید گواہ است خالد فاضل است بکر عالم است وغیرہ اس بناء پر است آخر جملہ میں مقصود ہوگا اور چونکہ یہ جملہ گواہ مہدیت شما کیست کے جواب میں واقع ہوا ہے اس لئے اس میں گواہ کا لفظ مقدر سمجھا جائے گا اور جملہ پورا اس طرح ہوگا این محمد ؐ رسول اللہ گواہ است اور لفظ گواہ مسند ہوگا اور مسند کا حذف وجود قرینہ کے وقت ہوا کرتا ہے چنانچہ تلخیص میں لکھا ہے واما حذف من قرینتہ کوقوع الکلام جوابا لسوال محقق نحو ولئن سالتہم من خلق السموات والارض لیقولن اللہ ۔ (ترجمہ) قرینہ کا پایا جانا ناگزیر ہے جیسا کہ کلام سوال محقق کا جواب واقع ہو مثلاً اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے اور اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو البتہ وہ کہیں گے کہ اللہ نے اس کے تحت علامہ تفتازانی لکھتے ہیں ۔ ای خلقہن اللہ یعنی البتہ وہ کہیں گے کہ اللہ نے ان کو پیدا کیا پس جیسا آیتہ شریفہ میں سوال میں خلق قرینہ ہے جواب سے خلقہن مسند کے حذف پر اسی طرح گواہ مہدیت شما کیست کے سوال میں لفظ گواہ قرینہ ہے جواب سے لفظ گواہ یعنی مسند کے حذف ہونے پر اس لئے پورا جملہ این محمد رسول اللہ گواہ است

ہوگا اور جملہ کی ترکیب نحوی یہ ہوگی اپن محمد رسول اللہ مسند الیہ مبتدا گواہ مسند خبر۔ اب یہ سوال کہ اسم اشارہ قریب کے ساتھ مسند الیہ کا ذکر کیوں کیا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی مسند الیہ کا تقرب حصول و حضور ہوتا ہے تو اسم اشارہ قریب کے ساتھ اس کا ذکر کیا جاتا ہے چنانچہ علامہ تفتازانی رح تعریف المسند الیہ بایراد اسم الاشارۃ کے تحت تحریر فرماتے ہیں۔ وقد یقصد بہ تقریب حصولہ و حضورہ نحو ھذہ القیامۃ قد قامت (ترجمہ) اور کبھی اس سے مسند الیہ کے حصول و حضور کی نزدیکی مقصود ہوتی ہے جیسے یہ قیامت قائم ہوگئی لوگ قیامت کو بہت دور سمجھتے ہیں لیکن اس کی نزدیکی کے اظہار کے لئے اس کے ساتھ اسم اشارہ قریب کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس طرح امام مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بموجب نحوائے آیۃ شریفہ فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گواہی میں پیش کیا کہ قیامت کے دن وہ میری مہدیت کی گواہی دیں گے ان اسماء گرامی کے ساتھ اسم اشارہ قریب کا استعمال کر کے یہ ظاہر فرمایا کہ ان کا حضور بغرض شہادت تمہارے لئے زمانہ قریب میں ہونے والا ہے۔

گواہی کے لئے انبیاء علیہم السلام سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس لئے خاص فرمایا کہ آپ اُمت میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیں اور ہر اُمت پر گواہ اس اُمت کے نبی ہوتے ہیں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل شانہٗ نے شاہد فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے۔ یا ایھا النبی انا ارسلناک شاھدا و مبشرا و نذیرا و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا (ترجمہ) ای نبی تحقیق ہم نے تجھے بھیجا درحالیکہ گواہ

خوشخبری سنانے والا اور ڈراتے اور بلانے والا طرف اللہ کے اس کی اجازت سے روشن چراغ ہے۔ (سورۂ احزاب پارہ (۲۲) رکوع ۳)

شاہدا کے تحت صاحب تفسیر کشاف لکھتے ہیں علی من بعثت الیھم و علی تکذیبھم و تصدیقھم ای مقبولا قولک عند اللہ لھم و علیھم کما یقبل قول الشاھد العدل فی الحکم یعنی درحالیکہ گواہ ہے ان لوگوں پر جن کی طرف تو مبعوث ہوا اور تو گواہ ہے ان کی تکذیب اور ان کی تصدیق پر یعنی اے نبی تیرا قول مقبول ہے اللہ کے پاس تو ان کے موافق گواہی دے یا ان کے خلاف میں جیسا کہ گواہ عادل کا قول فیصلہ کرنے کے وقت قبول کیا جاتا ہے ھکذا فی المدارک

صاحب تفسیر حسینی شاہدا کے تحت لکھتے ہیں۔

"گواہ بہ تصدیق و تکذیب اُمت تو یعنی اے نبی ہم نے تجھے بھیجا درحالیکہ تو اپنی اُمت کی تصدیق و تکذیب کا گواہ ہے۔"

پس امام علیہ السلام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہی میں پیش کرنا باتباع آیت قرآنی ہے۔ اور گواہی کے لئے ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تخصیص ایک خاص وجہ رکھتی ہے وہ یہ کہ مسلمانوں سے یہود کہتے تھے کہ تم یہودی ہوجاؤ اور انصاری کہتے تھے کہ نصاری ہوجاؤ تو اللہ تعالیٰ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہنے کا حکم فرمایا کہ میں نہ یہودی بنتا ہوں نہ نصاری بلکہ میں اختیار کروں گا مذہب ابراہیم کو جو تمام برائیوں اور کجیوں سے پاک ہے چنانچہ آیۃ شریف یہ ہے قالوا کونوا ھودا او نصاری تھتدوا قل بل ملۃ ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین (ترجمہ) انہوں نے کہا تم یہودی ہوجاؤ یا انصاری تاکہ تم ہدایت پاؤ کہدے اے محمد بلکہ میں اختیار

کردں گا مذہب ابراہیم کو درحالیکہ وہ مایل بدین اسلام ہے اور نہیں تھا مشرکوں میں سے نیز اللہ جل شانہ نے نبی کریم ؐ پر وحی کی کہ تم ملۃ ابراہیم کی پیروی کرو چنانچہ ارشاد ہوتا ہے -

ثم اوحینا الیک ان اتبع ملۃ ابراھیم حنیفا (پارہ ۱۴ سورہ نحل رکوع ۲۲)

(ترجمہ) پھر ہم نے (اے محمد) تمہاری طرف وحی کی کہ ملت ابراہیم کی پیروی کرو درحالیکہ وہ کجی سے پاک ہے - صاحب تیسیر لکھتے ہیں کہ اتباع کا معنی سبیل متبوع پر چلنا ہے آنحضرت ؐ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تابع اس لئے تھے کہ ان کے بعد مبعوث ہوئے تھے نہ اس لئے کہ ان سے مرتبہ میں کم تھے کیونکہ انا اکرم الاولین والآخرین علی اللہ کے حکم کے موافق یہ امر مقرر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل و اکمل ہیں نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل شانہ نے حکم فرمایا کہ (اے محمد) تم کہدو کہ میرے رب نے مجھے صراط مستقیم کی ہدایت کی دین استوار ملۃ ابراہیم حنیف کی چنانچہ آیۃ شریفہ یہ ہے قل اننی ھدانی ربی الی صراط مستقیم دینا قیما ملۃ ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین (پارہ ۸ رکوع ۷ سورہ انعام)

آیات شریفہ سے واضح ہے کہ رسول مقبول ؐ ملت ابراہیم حنیف کے تابع تھے جیسا کہ ملۃ ابراہیم تمام برائیوں سے پاک تھا اسی طرح اسلام بھی تمام برائیوں سے پاک ہے پس امام مہدی موعود علیہ السلام نے اپنی مہدیت کی شہادت میں ابراہیم خلیل اللہ کو بلحاظ اس خصوصیت کے پیش فرمایا جو آیات شریفہ سے ظاہر ہے سائل نے صرف اتنا پوچھا تھا کہ گواہ کون ہے امام علیہ السلام نے گواہوں کے نام لئے اگر امام علیہ السلام کے اس جواب کا مطلب یہ لیا جائے کہ حضرت محمد مصطفے دائیں جانب حاضر ہیں اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ بائیں جانب موجود ہیں جو پوچھنا

ہے - ان سو پوچھو تو یہ مطلب مطلع الولایۃ کی روایت کے موافق ہو جائے گا مطلع الولایۃ کی روایت یہ ہے -

حضرت امام مہدی علیہ السلام کے دعوے اور تشریف آوری کی خبر جب فراہ میں پھیل گئی - تو اس دیار کے علماء جو افضل علماء عالم تھے جمع ہو کر مہدیت کے بارے میں آنحضرت (مہدی علیہ السلام) سے علمی مباحثہ کے لئے علم تفاسیر نص قرآنی قانون واحادیث اخلاق پیغمبراں روایات علماء سلف وفضلائے خلق کے حوالوں سے ایک سال تک مباحثے کرتے رہے تمام علماء کے پاس ہر طرح سے ثابت اور مقرر ہو گیا کہ یہی ذات حمیدہ صفات مہدی موعود ہے اور ہر ایک امام علیہ السلام کی تصدیق سے مشرف ہوا میر ذوالنون صوبہ دار فراہ نے (جو اس سے پہلے شمشیر کا معجزہ دیکھ کر مشرف بہ تصدیق ہو چکے تھے) علماء کے اتفاق سے بعد ان کے علماء کے اسماء بھی عرض کر دیئے مرزا حسین بادشاہ خراسان کی خدمت میں عریضہ لکھا سید کامل افضل الزماں ہادی سبیل موصوف باوصاف ختم رسل ؐ ہند کی جانب سے تشریف فرما ہوئے ہیں اور دعوے کرتے ہیں کہ وہ خود مہدی آخر الزماں ہیں ہم تمام اس دیار کے علماء نے اس ذات عالی مثال سے ایک سال تک بحث کی وہ علم جس کی تحصیل میں ہماری تمام عمر صرف ہو چکی ہے آنحضرت کے آفتاب جہانتاب علم کے سامنے برق سودہ ہو گیا اور دقائق فنون تمام علوم کے جو ہماری نگاہ میں بحر ذخار دکھائی دیتے تھے اس سیادت پناہ عزت و وقار کے علم کے سامنے ایک قطرہ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے ہیں اس ذات انبیاء صفات کو تابع تمام کلام خدا کا موافق خاتم انبیاء کا افعال و احوال میں پاکر اس صاحب الزماں کے عتبہ عالیہ پر ہم سب نے اپنا سر ڈال دیا ہے تصدیق کی ہے آن امیر کبیر ہمیشہ صاحب صلاح و فلاح اور علی الخصوص محسن ہیں بناء براں یہ اخبار اس عالی شعار کے گوش ہوش میں پہنچائی گئی -

اس خبر ایمان اثر کے پہنچنے کے بعد مرزا حسین شاہ خراسان نے خود عزم

کیا کیونکہ علماء فراہ ہمہ داں تھے اور فراہ اس زمانہ میں علم وفنون کا مرکز تھا جو طالب علم ہوتا اکتساب علم کے لئے اس شہر میں آتا تھا۔ اس لئے شاہ حسین نے بھی ان کی شہادت کو معتبر جانا امیر کبیر کبر سنی کی وجہ سے نہایت کمزور ہو گئے تھے مقربان درگاہ نے عرض کی کہ مستقر سے فراہ ایک ماہ سے زیادہ کا راستہ ہے خدام کی آمدو شد اس حالت کے ساتھ بہت دشوار ہے اس لئے التماس یہ ہے کہ تین چار دانایان فاضل کو روانہ فرمائیں جن کی تحقیق میں شک وریب کو دخل نہ ہو اور جو کام ان کی رائے کے اعتماد پر ہو یہ لوگ اگر اس ذات کو دعوے مہدیت میں صادق پائیں گے تو خدام کو بلائیں گے ورنہ اس شور وغوغا کو وہیں فرو کر دیں گے پس اہل خراسان نے اپنے ملک میں چار شخصوں کا انتخاب کیا جو فضلائے جہاں علمائے زماں صاحب درایت وفراست اور دانائے دین تھے ان میں ہر ایک درس حدیث وتفسیر کے قابل اور سلطنت وملک گیری کے لائق تھا جن میں سے ایک کا نام ملا علی فیاضی دوسرے کا نام ملا علی شروانی تیسرے کا نام ملا علی گل چوتھے کا نام مخدوم علماء کرام۔ وفد نے جب یہ سنا تو حضرت بادشاہ میں عرض کی کہ علماء فراہ افضل علماء جہاں ہیں جب انہوں نے تصدیق کی ہے تو البتہ موافق قرآن وحدیث وروایات علماء سلف کے دیکھا ہوگا۔

(اعجاز پریس)